ماهنامه

صراطِ مستقیم

برمنگھم

August 2025





وَمَنْ يَعْتَصِمْ بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ

صراطِ مستقیم برمنگھم

بیاد

مولانا فضل کریم عاصم رحمہ اللہ

مولانا محمود احمد میرپوری رحمہ اللہ

Vol: 45 No. 10 August 2025

Safar/Rabi-Al-Awwal 1447 AH

جلد: 45 شمارہ: 10 اگست 2025ء

صفر/ربیع الاول: 1447ھ

فہرست مضامین

Correspondence Address:

SIRATE-MUSTAQEEM

20 Green Lane, Small Heath,

Birmingham B9 5DB

Tel: 0121 773 0019

Fax: 0121 766 8779

ناشر: مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ

Markazi Jamiat Ahl-e-Hadith UK

www.mjah.org.uk/siratemustaqeem

E-mail: info@mjah.org.uk



نگہ بلند، سخن دل نواز، جاں پرسوز
یہی ہے رختِ سفر میر کارواں کے لیے

جامعہ دار السلام عمر آباد کی تاریخ میں سال 1977 کا ’جشنِ طلائی‘ سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کی اہمیت مختلف اعتبار سے ہے۔ یہ اپنی نوعیت کا منفرد پروگرام تھا۔ طلبہ، اساتذہ، منتظمین، ذمہ داران اور منتسبین جامعہ، گرد و نواح کے مسلمان اور غیر مسلم ہفتوں پہلے سے اس دن کے لیے دن گن رہے تھے۔ پروگرام کی کامیابی کا جتن بڑے ارمانوں کے ساتھ کیا جا رہا تھا۔ حتی کہ میدان کی باقاعدہ پیمائش کر کے نقشے کے مطابق انتظامات کیے جا رہے تھے کہ مرکزی اجتماع گاہ، قیام گاہ اور طعام گاہ وغیرہ وغیرہ کے لیے کتنی جگہ مختص کی جائے۔

دونوں برادران محترم کاکا محمد عمر اور محترم مولانا کاکا سعید احمد صاحبان دل و جان سے تیاری میں اتنے مگن تھے کہ نماز اور کھانے کے علاوہ باقی وقت ہمہ تن مصروف عمل دکھائی دیتے۔ کبھی میدان تو کبھی آفس میں کبھی اساتذہ کو ہدایات دیتے ہوئے تو کبھی معززین کے ساتھ نشست کرتے ہوئے اور کبھی طلبہ کے ساتھ محو گفتگو۔ اس مناسبت سے تمام طلبہ کے لیے یونی فارم شیروانی سلوانے کا اہتمام کیا گیا۔ ایک ماہر درزی کو عمر آباد بلوایا گیا تھا۔ تین چار روز قبل خیمہ بستی کا کام مکمل ہو گیا۔ گردونواح کے لوگ ان تیاریوں کا مشاہدہ چشم خود کرنے کے لیے عمر آباد آ رہے تھے۔ مغرب بعد کا وقت خواتین کے لیے مختص کر دیا گیا کہ وہ بھی ان تاریخی لمحات کے نقوش اپنے ذہنوں میں ثبت کرنا چاہتی تھیں اور ذمے داران صنف نازک کے جذبات کو مجروح نہیں کرنا چاہتے تھے کہ انھیں اس پُر مسرت مناسبت سے محروم کر دیا جائے۔ افتتاحی پروگرام کی رات کثیر تعداد میں قدیم فارغین، متوسلین جامعہ، مشہور اہل علم اور شرکاء عمر آباد پہنچنا شروع ہو گئے۔ ان میں کچھ شاید فراغت کے بعد پہلی بار مادر علمی پہنچ رہے تھے۔ یہاں کے گوشہ گوشہ سے جڑی گزرے دنوں کی یادیں تازہ کر کے سکون پا رہے تھے۔ نماز عشا کے بعد بہت سے احباب مسجد اور جامعہ میں دوستوں اور شنا ساوں کے ساتھ مگن تھے کہ شور مچا، بلاد عربیہ سے تشریف لائے عرب مہمان جناب کاکا محمد عمر کی رہائش گاہ ’عمر ہاؤس‘ پہنچ رہے ہیں۔ پولیس کی نگرانی اور سائرن کی گونج میں متعدد بھاری بھر کم کاروں کا قافلہ شاہراہ عمر آباد سے ’عمر ہاؤس‘ کی جانب موڑا گیا۔ پھر کیا تھا طلبہ اور مہمانوں کی توجہ مسجد گلی کی طرف تھی۔ چھوٹے بڑے، طلبہ اساتذہ اور مہمان عوام ادھر ٹوٹ پڑے۔ کچھ ہی دیر میں ’عمر ہاؤس‘ کے گرد اتنا ہجوم امنڈ پڑا کہ پولیس کے لیے کنٹرول کرنا مشکل ہو گیا اور تھا بھی یہ خوشی کا موقع۔ کسی پر سختی بھی روا نہیں۔ نظم وضبط بر قرار رکھنے کے لیے پولیس سینئر طلبہ کی مدد طلب کر رہی تھی۔ پڑوس میں واقع مولانا کاکا سعید احمد صاحب کے مکان ’المنار‘ میں معززین کو لے جایا گیا، جہاں تعارفی ملاقات کے بعد ’عمر ہاؤس‘ میں طعام کا انتظام تھا۔ وہاں سے فارغ ہونے کے بعد ان کے لیے مختص قیام گاہوں تک پہنچانے کے لیے پھر سے گاڑیوں کی قطاریں لگیں، تاکہ صبح تازہ دم پروگرام میں تشریف لا سکیں۔ یہ ایسا تاریخی موقع تھا کہ مسجد گلی معززین، علما اور طلبہ سے بھری ہوئی تھی اور ہر نظر ’عمر ہاؤس‘ اور ’المنار‘ پر ٹکی ہوئی تھی۔ پھر اس تاریخی منظر کا اعادہ پورے پچاس سال بعد اس وقت ہوا جب جامعہ کے روح رواں، میر کارواں خانوادۂ کاکا کی تیسری نسل کی آخری کڑی مولانا کاکا سعید احمد عمری رحمہ اللہ کا آخری دیدار کرنے اور جنازے کو کندھا دینے کی غرض سے اسی طرح ہجوم مسجد گلی میں امنڈ پڑا جسے دیکھ کر جشن طلائی کی رات والا منظر نظروں میں گھومنے لگا، اس فرق کے ساتھ کہ تقریباً پچاس برس قبل دونوں برادران معززین کا استقبال کر کے تاریخ رقم کر رہے تھے اور آج ایک تاریخ ساز شخصیت کو کندھوں پر اٹھا کر لوگ ان کی خدمات کو خراج عقیدت پیش کر رہے تھے۔ اُس وقت ہر آنکھ خوشی سے چمک رہی تھی اور آج ہر آنکھ احساسِ جدائی سے اشک بار تھی۔

پچاس سال قبل جب کہ جشن طلائی کی تیاریاں عروج پر تھیں، اچانک خبر آئی عظیم خانوادے کے عظیم فرزند، جامعہ کے نائب صدر اور ٹرسٹی جناب کاکا محمد اسحاق صاحب وفات پا چکے ہیں۔ موت کا وقت بر حق ہے۔ اس میں پل بھر کے لیے تقدیم یا تاخیر کی گنجایش نہیں:

﴿فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ﴾ (سورۃ النحل:61)

اس موقع پر اس ناگہانی خبر کا جو اثر اہلِ خاندان پر ہوا ہو گا وہ تو اپنی جگہ، لیکن اساتذہ جامعہ کے لیے بھی یہ صدمہ جان کاہ تھا۔ استاذ گرامی مولانا ابوالبیان حماد

عمری نے اس مناسبت سے راقم کے ذریعے ایک مکتوب املا کروایا جس کا عنوان تھا ''اور سلسلۃ الذھب کی آخری کڑی ٹوٹ گئی۔''

مؤسس عمر آباد کاکا محمد عمر کے تین فرزند تھے: کاکا محمد اسماعیل، کاکا محمد ابراہیم، کاکا محمد اسحاق۔ دو پہلے وفات پاچکے تھے اور تاسیس جامعہ کے پچاسویں سال کاکا محمد اسحاق نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ مرکزی جلسہ گاہ کے لیے مختلف گیٹ بنائے گئے تھے، جو مشاہیر اور محسنین جامعہ کے ناموں سے موسوم تھے۔ فوری ایک گیٹ پر مرحوم کے اسم گرامی کی تختی آویزاں کی گئی، ''باب اسحاق''۔ یہ ان کا حق بھی تھا۔ انتقال سے پہلے جب وہ بستر علالت پر تھے اور اساتذۂ جامعہ عیادت کے لیے تشریف لے جاتے تو محترم کاکا محمد اسحاق صاحب ان سے فرماتے کہ ''آپ کی ضرورت یہاں سے زیادہ وہاں ہے۔ میرے حق میں بس دعا کیجیے اور جشن طلائی کے انتظامات میں دل و جان سے لگ جایئے۔''

امید کی جارہی تھی کہ جامعہ کے سو سال کی مناسبت سے سال رواں کے اجلاس میں کوئی پروگرام منعقد ہوگا لیکن ملکی حالات کے پیش نظر کسی وسیع پروگرام کے مسئلے میں ذمے داران تذبذب کا شکار تھے۔ خدشہ تھا کہ افادیت سے زیادہ نقصان نہ ہو۔ عجیب اتفاق کہ وفات سے چند روز پہلے شریک معتمد فاضل دوست مولانا کاکا انیس احمد صاحب عمری جن سے رابطہ رہتا ہے، جو جامعہ کو ہر دم بہتر سے بہترین کی طرف لے جانے کے لیے اپنے والد گرامی کا دست و بازو بنے رہے۔ میں نے سو سال کے حوالے سے استفسار کیا تو کہنے لگے کہ ''والد صاحب کے سامنے میں نے اس کا ذکر کیا۔ اباجان سن کر پہلے تو خاموش ہو گئے لیکن بعد میں فرمایا کہ ملک کے حالات جلسے جلوس کے بغیر نہایت خاموشی کے ساتھ کام کرنے کے متقاضی ہیں۔''

محترم سکریٹری صاحب کی طبیعت پچھلے چند دنوں سے ناساز چلی آرہی تھی، اور وہ زیادہ خاموش ہی رہنے لگے تھے۔ شاید یہ کوئی غیبی اشارہ رہا ہو کہ تم جس پروگرام کا ارادہ کر رہے ہو یہاں تو کوئی اور ہی پروگرام ہونے والا ہے۔ لوگ صد سالہ جلسے میں شرکت کی بجائے میر کارواں کے جلوس جنازہ کے لیے 12 مئی 2024 کی صبح جمع ہوئے۔ یوں سلسلۃ الذھب کی تیسری نسل کی آخری کڑی ٹوٹ گئی۔

کاکا محمد اسماعیل رحمہ اللہ کے تین فرزند تھے: دو کاکا رشید احمد اور کاکا محمد عمر پہلے ہی وفات پاچکے ہیں اور اب آخری فرزند بھی رخصت ہو گئے، جنہوں نے جامعہ کو تقریباً 65 سال خون جگر سے سینچا۔ جب جنازہ شاہراہ عمر آباد سے گزرتا ہوا جامعہ کے وسیع سبزہ زار میں پہنچا تو شاعر مشرق کے مصرعے کی حرف بحرف عکاسی ہورہی تھی:

جگر کا خون دے دے کر یہ بوٹے میں نے پالے ہیں

کوئی عارضی مدت نہیں، پورے 65 برس تک اس گلشن کی آب یاری کے اس طویل دورانیے میں جن سرد و گرم حالات اور تلخ و شیریں تجربات سے گزرنا پڑا ہوگا اس کا اندازہ وہی لگا سکتے ہیں، جن کے کندھوں پر ایسی ذمے داریاں ہوتی ہیں۔ حالات کے تھپیڑے اور آندھیاں کتنی ہی سخت رہی ہوں لیکن اس شمع کو بجھنے نہ دیا، کیوں کہ

ہم نے گلشن کے تحفظ کی قسم کھائی ہے

ورنہ بسا اوقات تو محسوس ہوتا تھا کہ کہیں یہ چراغ گل ہی نہ ہو جائے لیکن ہر بار جامعہ کے ناخداؤں نے کشتی کو گرداب سے نکالنے میں کامیابی پائی۔ بجا طور پر توفیق الٰہی سے امید کی جاسکتی ہے کہ آئندہ بھی یہ سفر کامیابی، بلکہ نئی توانائی اور نئے عزم کے ساتھ جاری رہے گا:

اولوالعزمان دانش مند جب کرنے پر آتے ہیں
سمندر پاٹتے ہیں اور کوہ سے دریا بہاتے ہیں

ساٹھ، ستر کی دہائی میں شان دار عمارتوں اور ترقی کی ریل پیل نہیں تھی، اس دور میں بھی کاکا صاحب یومیہ قدیم عمارت جواب معہد القرآن کے لیے مختص ہے، صبح تقریباً دس بجے دار المطالعہ میں تشریف لاتے، کیوں کہ صبح ساڑھے نو بجے عموماً ڈاک موصول ہوا کرتی۔ تازہ اخبارات اور رسائل کا مطالعہ کرتے اور ساتھ ہی ضروری امور میں اساتذہ سے بات چیت بھی جاری رہتی۔ یوں منتظمین اور مدرسین کے درمیان یومیہ رابطہ رہتا، براہ راست جامعہ کی سرگرمیوں پر نظر رکھتے اور یہی معمول جامعہ کے توسیعی منصوبوں کی تکمیل کے بعد بھی جاری رہا۔ اگر ذمے دار اعلیٰ آفس میں بیٹھا رہے تو وہاں مسائل کا انبار نہیں لگتا، نہ ہی ایشوز پیچیدہ ہوتے ہیں، ورنہ عموماً اداروں اور مراکز میں صدر دفتر خالی ہوتا ہے، نائبین اور ملازمین کے رحم و کرم پر دفتری امور چھوڑ دیے جاتے ہیں۔ ان معمولات کے ساتھ تقریباً پینتیس برس تک اپنے برادر کبیر کاکا محمد عمر کے دست و بازو بنے رہے اور پھر تیس برس اکیلے، بڑے بھائی کے دل میں چھوٹے بھائی کی کیا قدر تھی اس واقعہ سے اندازہ لگایئے کہ ایک سال سالانہ جلسہ اس وقت اسے 'ختم بخاری کا جلسہ' کہا جاتا تھا، مولانا کاکا سعید احمد صاحب جلسہ میں نہیں پہنچ سکے تھے۔ یہ غالباً پہلا موقع تھا کہ اس میں وہ شریک نہ ہوئے، کیوں کہ اپنے چھوٹے فرزند کاکا محمد اسماعیل رئیس سخت بیمار تھے۔ علاج معالجہ میں کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی لیکن وہ جاں بر نہیں ہو سکے۔ لڑکپن ہی میں داغ مفارقت دے گئے۔ بیمار بیٹے کی تیمارداری کی خاطر مولانا کاکا سعید احمد صاحب مدراس ہی میں رک گئے تھے۔ بڑے بھائی نے رپورٹ پیش کرتے ہوئے مجمع عام میں برادر خورد کی صلاحیت اور

جامعہ کے لیے ان کی کوششوں کا تذکرہ کر کے کہا کہ میں ان کے غیاب میں شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں، وہ یہاں موجود ہوتے تو کبھی اس کی اجازت نہ دیتے، یہ کہتے ہوئے معتمد جامعہ جناب عمر بابو کی آواز بھرا گئی، اور پھر عزم و حوصلے کی چٹان کو جذبات کے آگے سسکیاں لیتے ہوئے دیکھ کر سامعین بھی اشک بار ہو گئے۔

کاکا صاحب یومیہ جامعہ آتے ہی نہیں بلکہ طلبہ کی تعلیمی اور خصوصاً تربیت کی فکر میں ہمہ قسم کے جتن کیا کرتے۔ نمازوں میں حاضری، اذکار کی پابندی، گردونواح کی مساجد سے وابستگی اور ان میں خطبات جمعہ کی ترتیب، مختلف مقامات پر تربیتی و تذکیری اجتماعات کی نگرانی اور حسب ضرورت اساتذۂ جامعہ کے ہمراہ ان میں شرکت کرتے تاکہ ابنائے جامعہ موتی کے دانوں کی طرح بکھر نہ جائیں، ایک لڑی میں جڑے رہیں۔ ان کی حسن کارکردگی کی حوصلہ افزائی فرماتے اور کمی کوتاہی پر تنبیہ بھی کرتے۔ عقیدے کے مسئلے میں کسی مداہنت کو گوارا نہیں کرتے اور فقہی مسائل میں اپنا ایک نقطہ نظر رکھنے کے باوجود شدت پسندی نہیں کرتے۔ اس ضمن میں ایک دو ذاتی نوعیت کے واقعات پڑھ لیجیے:

عمر آباد کے قبرستان میں پختہ قبروں کی تعمیر کا رواج نہیں ہے۔ یہاں کے قبرستان میں مسنون طریقے سے کچی قبریں ہی تیار کی جاتی ہیں، حالاں کہ اس قبرستان میں بڑی قد آور شخصیتیں مدفون ہیں، غفر اللہ لہم۔

ہمارے زمانۂ طالب علمی میں یہاں کے پوسٹ آفس میں ایک صاحب کا تبادلہ ہوا۔ نو وارد نمازوں کے پابند اور دین دار تھے، لیکن اعتقادی اور فقہی مسائل سے زیادہ واقف نہیں تھے۔ ان کی رہائش متصل گاؤں گڑھ آمبور میں تھی اور میں اس مسجد میں امامت کیا کرتا تھا۔ اس مسجد میں امامت و خطابت طلبہ کے ذمے ہوا کرتی تھی۔ ان کے بیٹے کی کم سنی میں وفات ہو گئی۔ تدفین کے بعد وہ پابندی سے قبرستان جایا کرتے۔ شروع میں خیال کیا گیا کہ بیٹے کی وفات کا غم تازہ ہے۔ پھر انھوں نے اس کی قبر پختہ بنانے کا ارادہ کیا۔ وہاں چراغ اور چٹائی کا بندوبست بھی کیا۔ اس کی اطلاع محترم سکریٹری صاحب کو پہنچی۔ شنید ہے موصوف کو پہلے سمجھانے کی کوشش کی۔ شاید وہ سمجھنے کے موڈ میں نہیں تھے، کیوں کہ یہ ان کے بیٹے کی قبر ہے اور قبرستان سب کے لیے ہے، ہم جو چاہیں کرلیں۔ اس پر محترم کاکا صاحب نے دوٹوک انداز میں پیغام دیا کہ ”عمر آباد کے قبرستان میں اس قسم کی خرافات اور پختہ قبر بنانے کی گنجائش نہیں۔“ یہ ایسا بارعب جملہ تھا کہ نو وارد کو اندازہ ہو گیا کہ یہاں مخالفت کا انجام کیا ہو سکتا ہے۔ وہ اپنے ارادے سے تو باز آگئے لیکن کچھ دن ہم سے بھی روٹھے رہے۔

ایک مرتبہ عرب امارات سے ایک وفد آیا۔ اس میں ایک عربی مہمان عقیدے کی گہرائی میں گئے بغیر مقامی عادات اور مروجہ چال چلن سے مفاہمت کی پالیسی کو ترجیح دینے والے تھے۔ اس واقعے کے راوی خود کاکا صاحب ہیں۔ وفد کا پہلا پڑاؤ دار السلام تھا۔ وہاں سے فارغ ہو کر ایک اور درس گاہ کی زیارت ان کی فہرست میں شامل تھی۔ دونوں برادران کے ہمراہ وہاں پہنچے۔ درس گاہ کے تعلق سے معلومات حاصل کیں۔ کاکا برادران کسی ادارے کے دورے میں شامل ہوتے تو خود آگے بڑھ کر اس ادارے کے متعلق اظہارِ خیال کرنے کی بجائے وہاں کے ذمے داروں ہی کو موقع دیا کرتے کہ وہ جو مناسب سمجھیں خود بتائیں۔ یہ وصف کم لوگوں میں پایا جاتا ہے، ورنہ ساتھ رہنے والے عموماً عرب مہمانوں کے ذہن میں اپنی باتیں بٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مجلس جب اختتام کو پہنچ رہی تھی، غیر متوقع طور پر دبئی کے مہمان نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیئے اور پھر بہ آواز بلند ’الفاتحہ‘ کہا۔ کچھ عرب حضرات تلاوت کے اختتام پر بھی یہ کلمہ کہہ دیتے ہیں، اگرچہ کہ اس کا مفہوم و مدلول ان کے ہاں ہندوپاک میں رائج مفہوم سے مختلف ہوتا ہے، شاید اسی کے پیش نظر مہمان موصوف نے یہاں یہ کہا ہو۔ جوں ہی ان کی زبان سے یہ کلمہ نکلا دونوں بھائی اس انداز سے مجلس سے اٹھ کھڑے ہوے کہ مہمان بھی چونک گئے اور میزبان بھی منہ دیکھتے رہ گئے کہ یہ کیا ہوا کہ مجلس ہی ختم ہو گئی۔ پھر کاکا صاحب نے فرمایا کہ

”اگر ایک بار کسی بدعت یا غلط چیز کو نظر انداز کیا جائے تو بار بار سمجھوتا کرنا ہو گا۔ یہ حرکت چاہے کسی کی طرف سے ہو قابل قبول نہیں۔“

اس سے سمجھا جاسکتا ہے کہ جامعہ دوسرے مکاتب فکر سے تعلقات رکھنے کی جو دعوت دیتا ہے اس میں وہ حدود کا بھی خیال رکھتا ہے۔

عالی مقام اور اونچے منصب کے باوجود دینی محفلوں میں تواضع کا نمونہ تھے۔ گڑھ آمبور مسجد کی قدیم عمارت بوسیدہ اور چھوٹی سی تھی۔ آمبور کے ایک مخیر تاجر چرم آنیکار عبد الشکور رحمہ اللہ جو بہت ہی متمول اور کار خیر خصوصاً تعمیر مساجد میں دل چسپی لیا کرتے تھے۔ انہوں نے اس کی تعمیر نو کروائی۔ موجودہ عمارت انہی کی مرہون منت ہے۔ تعمیر جب مکمل ہوئی تو اس مناسبت سے جلسہ عام منعقد ہوا۔ اس کی حیثیت افتتاحی پروگرام جیسی تھی۔ اس کے لیے استاذ گرامی مولانا عبد السبحان اعظمی رحمہ اللہ کو مدعو کیا گیا۔ مولانا اعظمی علاقہ بھر میں روحانی اعتبار سے بھی مرکزی حیثیت رکھتے تھے۔ اس وقت استاذ محترم کی طبیعت ناساز تھی۔ ہمارے اصرار پر مولانا نے

شرکت کا وعدہ کر لیا۔ وقت مقررہ پر ہم مولانا کے گھر بیل گاڑی کے ساتھ پہنچے (یہ اُس وقت کا عمر آباد تھا) مولانا بیل گاڑی میں سوار اور ہم پیدل مسجد آئے۔ اس مناسبت سے عوام کے علاوہ طلبہ اور اساتذہ کثیر تعداد میں جمع ہو گئے۔ اگلی صفیں جلد ہی پُر ہو گئیں۔ مولانا کا کا سعید صاحب اپنے عزیزوں کے ہمراہ تشریف لے آئے۔ آگے بڑھنے کے بجائے صحن میں بیٹھ گئے۔ اس وقت ان کی شخصیت کا رعب کچھ ایسا تھا کہ ہم ان کے لیے آگے جگہ بناتے تو وہ ناپسند کرتے کہ میرے لیے پروگرام میں خلل نہ ہونے پائے۔ جسے جہاں جگہ ملے وہ وہیں بیٹھا رہے گا۔ پروگرام کے اختتام تک وہیں بیٹھے رہے۔ بڑا عہدہ، خاندانی وجاہت اور شخصی رعب کے ساتھ تواضع اور انکسار کا حسین امتزاج کم لوگوں میں دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ ورنہ مشاہدہ تو یہ ہے کہ جمعہ کے دن تاخیر سے آکر اگلی صفوں تک پہنچنے کے لیے کتنی گردنیں لوگ پھلانگتے ہیں۔

کسی جگہ مہمان ہوتے تو اس اصول پر سختی سے عمل کرتے اور رفقا سے کرواتے کہ میزبان کھانے اور آرام کرنے کے لیے جو وقت مقرر کرے اس کے مطابق مہمان کو عمل کرنا چاہیے، ورنہ آپ میزبان کی پریشانی میں اضافہ کا سبب بنیں گے، ممکن ہے وہ آپ کے احترام میں بول نہ سکے، آپ کو خود اس کا احساس کرتے ہوئے میزبان کے مرتب کردہ پروگرام پر عمل کرنا چاہیے۔

مولانا کی ایک خدمت سرکاری ایڈڈ اسکول میں دینی تعلیم کا اہتمام تھا۔ عمر آباد میں قائم 'محمدیہ اسکول' (جواب محمدیہ ہائی اسکول ہے) اس میں صباحی دینی تعلیم کا باقاعدہ آغاز کر کے جامعہ میں زیر تعلیم دو طلبہ کو پڑھانے کی ذمہ داری تفویض کی گئی۔ راقم اور مولانا حافظ عبدالواجد عمری مدنی رحمہ اللہ۔ ہم صبح وہاں جا کر قرآن مجید ناظرہ، دعائیں اور دینیات پڑھایا کرتے تھے، لیکن مجھے جلد ہی اندازہ ہو گیا کہ اس ذمے داری کی انجام دہی میں ذاتی مطالعہ کا نقصان ہو رہا ہے، کیوں کہ یہی وقت لائبریری سے استفادہ کا ہوتا ہے، جب کہ وہاں تدریس سے فارغ ہوتے ہوتے جامعہ میں کلاس کا آغاز ہونے والا ہوتا تھا۔ میں نے اس ذمے داری سے دامن بچانا چاہا تو کا کا صاحب نے مشفقانہ اسلوب میں ڈانٹتے ہوئے کہا کہ

" آپ کے اساتذہ نے اس کام کے لیے آپ کا نام کچھ سوچ کر ہی تجویز کیا ہوگا۔ آپ اس ذمہ داری سے کیوں پیچھے ہٹنا چاہتے ہیں۔"

پھر فرمایا کہ میں نے کچھ بچوں سے دعائیں سنی ہیں، ماشاء اللہ کافی دعائیں یاد ہو گئی ہیں۔" محترم سکریٹری صاحب کے اس جملے پر مجھے بڑا تعجب ہوا کہ کیا سکریٹری صاحب وہاں زیر تعلیم بچوں کی تعلیمی کارگردگی سے باخبر ہیں اور ان سے دعائیں بھی سن رہے ہیں۔ ہمارے حساب سے وہ تو ایک بڑے آدمی اور اونچی شخصیت کے مالک ہیں، بھلا پرائمری اسکول میں زیر تعلیم طلبہ کی دینی تعلیم سے انہیں کیا دلچسپی ہو سکتی ہے، لیکن اس واقعے سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ انہیں بستی کے عام نونہالوں کی دینی تربیت کا بھی کتنا خیال رہتا تھا۔

ملکی اور بین الاقوامی چھوٹے بڑے مختلف نوعیت کے دینی اجتماعات میں اکٹھے شرکت کے متعدد مواقع ملتے رہے۔ اگرچہ کہ متنوع عنوانات پر ہماری گفتگو ہوتی، اختلاف رائے بھی خندہ پیشانی سے سنتے لیکن مرکزی موضوع دعوت و تبلیغ ہی کے گرد گھومتا۔ علما اور فارغین جامعات کی عملی تربیت پر زیادہ زور دیا کرتے تھے، اور یقین کی حد تک قائل تھے کہ

عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی

دو مرتبہ برطانیہ کا دورہ فرمایا۔ مختلف اہل علم، ذمے داران مراکز اسلامیہ کے ساتھ ملاقاتوں میں زیادہ راحت محسوس کرتے، مفید مشوروں سے نوازتے اور دوسروں کے تجربات سے مستفید ہوتے۔ فرصت کے اوقات شہری گہما گہمی سے دور فطری مناظر پھول پھلواری اور باغات سے زیادہ لطف اندوز ہوتے۔ اس سفر میں مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ کے ناظم اعلیٰ اور صراط مستقیم کے مدیر مسئول مولانا محمود احمد میرپوری رحمہ اللہ کے ساتھ بڑی طویل نشست ہوئی۔ اس میں دونوں برادران گرامی نے ایک واقعہ کا ذکر کیا۔

بات ہو رہی تھی کہ ہماری دعوت پختہ عقیدہ اور ٹھوس اصول پر کھڑی ہے۔ ہمیں سیاسی اور سرکاری وابستگی سے پرے ہو کر اپنی پالیسی بنانی چاہیے، کیوں کہ سیاسی وابستگیاں عارضی ہوتی ہیں ملکی حالات بدلتے دیر نہیں لگتی، آج کے دوست کل کے دشمن، حتی کہ دینی رجحانات میں اتحاد کے باوجود سیاسی منظرنامہ کے ساتھ ہی سب محبتیں پھیکی پڑنے لگتی ہیں۔ کا کا محمد عمر صاحب نے حالیہ ریاض کے دورے میں پیش آنے والے ایک واقعے کا ذکر کیا کہ لیبیا کے ایک اہم اعلیٰ عہدے دار کے ساتھ کا کا صاحب کے روابط کے خلاف مدیر ادارۃ الدعوہ ریاض کو کچھ اعتراضات ہونے لگے۔ محترم کا کا محمد عمر صاحب نے مدیر کی آفس میں سلفیت کے حوالے سے جس بے باک انداز میں گفتگو کی، قسم الترجمہ کے مدیر شیخ ڈاکٹر محمد لقمان سلفی رحمہ اللہ ترجمانی کر رہے تھے، کہا کہ

"جس شخصیت کے متعلق آپ کو تحفظات ہیں وہ ہم اور آپ سے زیادہ پختہ سلفی ہیں۔ رہی آپ کی سرکاری پالیسی تو اس کا تعلق عقیدہ اور نظریہ سے نہیں ہے۔ سیاسی طور پر آپ کو حق ہے اپنی پالیسی پر عمل کرنے کا، آپ اپنے حالات اور مصلحتوں سے زیادہ واقف ہیں لیکن ذمہ داران کو احباب سے توقع

نہیں رکھنی چاہیے کہ سیاسی رجحانات کی بنیاد پر ہمارے روابط ہوں، کیوں کہ یہ بات بارہا آزمائی جاچکی ہے کہ سیاسی وابستگیوں کے تبدیل ہونے میں دیر نہیں لگتی، مزید اس میں غلط اور صحیح کا احتمال بھی رہتا ہے۔ جو بات اصول اور نظریے پر ہوگی اس میں دوام ہوگا، للّٰہیت ہوگی۔" یہ بات ایسے بے لاگ انداز میں کہی کہ نیک دل مدیر نے کاکا صاحب کے موقف کی تائید کی۔

محترم مولانا کاکا سعید صاحب کو اللہ نے طویل زندگی، ہجری اعتبار سے تقریباً 90 برس کی عمر عطا فرمائی۔ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کی روشنی میں درازی عمر حسن عمل کے ساتھ ذریعہ خیر وبرکت اور باعث اجر وثواب ہے:«خير الناس من طال عمره و حسن عمله» (جامع ترمذی:2329)

1956ء میں جامعہ سے سند فراغت پائی۔ 1959ء میں جامعہ کی خدمت کے لیے بڑے بھائی کے ساتھ شریک معتمد بنادیے گئے۔ پھر برادر کبیر کی وفات کے بعد معتمد عمومی بنائے گئے۔ یوں جامعہ کی آبیاری اور ترقی کے لیے زندگی کے 65 برس لگادیے۔

اس کے علاوہ گرد ونواح میں مختلف مساجد کی تعمیر، رفاہی سرگرمیوں کی نگرانی، مفید کتابوں کی نشر واشاعت، علاقائی بچوں کی تعلیم و تربیت کے انتظامات، ملکی اور اجتماعی ملی مسائل میں دلچسپی اور مسلم پرسنل لاء بورڈ کے نائب صدر کی حیثیت سے اپنا کردار ادا کرتے رہے۔ اپنے پیچھے ایسے یادگار نقوش چھوڑے کہ گویا اس حدیث رسول کی ترجمانی ہورہی ہے:«إذا مات الإنسان انقطع عنه عمله إلا من ثلاثة إلا من صدقة جارية أو علم ينتفع به أو ولد صالح يدعو له» (صحیح مسلم: 1631) قابل رشک زندگی کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ امسال جامعہ سے سند فراغت حاصل کرنے والوں کی تعداد 75 تھی، اور 36 نونہالوں نے قرآن مجید حفظ کر کے سند پائی۔ یقیناً ان سعادت مند فضلا اور حفاظ کے والدین، اساتذہ کے ساتھ منتظمین کو بارگاہ الٰہی سے وافر اجر ملے گا۔ گزشتہ طویل عرصے میں اس درس گاہ سے سند فراغت پاکر چہار دانگ عالم میں مصروفِ عمل علماء کی مساعی جمیلہ کا بڑا حصہ بھی ان کے نصیب میں آئے گا، ان شاء اللہ۔ جامعہ کے درودیوار، وہاں روشن علم نافع کی شمع جب تک دنیا کو ضیا بخشتی رہے گی، سب کے نامۂ اعمال میں اضافہ کا موجب ہوگی۔

مذکورہ حدیث کے آخری حصے کی عملی شکل بطور خاتمہ بالخیر کے اس وقت سامنے آئی، جب مرحوم کی نماز جنازہ کے لیے فرزند سعید، جو جامعہ سے فراغت کے بعد پہلے اپنے تایا مرحوم کے ساتھ اور پھر اپنے والد محترم کے ساتھ تھے، اور آخری دنوں میں تو تقریباً ساری ہی ذمے داریوں کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھائے شب و روز جامعہ کی ترقی میں مصروف عمل رہے، مولانا کاکا انیس احمد عمری اپنے والد بزرگ وار کی نماز جنازہ پڑھانے کے لیے آگے بڑھے تو حدیث کے آخری حصے کی تعبیر:«أو ولد صالح يدعوا له» کہ صادق مصدوق ﷺ کی بشارت کے مطابق ولد صالح کی دعائیں رائیگاں نہیں جائیں گی۔ ان شاء اللہ۔ مولانا کاکا سعید احمد صاحب کا ابنائے جامعہ (Alumni) کے ساتھ تعلق کی نوعیت کچھ ایسی تھی کہ اس میں مشفقانہ مٹھاس کے ساتھ مدبرانہ ترشی بھی رہا کرتی تھی:

چمن میں تلخ نوائی مری گوارا کر
کہ زہر بھی کبھی کرتا ہے کارِ تریاقی

ذیل کے کچھ فقروں اور جملوں سے ہمارے ساتھ بے تکلفی اور محبت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، اگرچہ کہ ان میں ہر ایک مستقل عنوان اور تفصیل کا متقاضی ہے۔ آپ فلاں تاریخ تک عمر آباد پہنچ جائیے اور آپ کا خطاب فلاں عنوان پر ہوگا، اس عنوان پر مضمون تیار کر کے راہ اعتدال کے لیے فوری بھیجے، سیاسی خارزاروں سے خود کو دور رکھیے کہ دعاۃ اور مبلغین کے لیے اس کے فوائد محدود اور نقصانات لامحدود ہوتے ہیں۔ مختلف دینی تنظیموں اور مراکز کے ساتھ آپ کے روابط کس نوعیت کے ہیں، اپنی زیر نگرانی مساجد کے علاوہ دیگر مساجد میں کتنے دروس دیتے ہیں، فلاں عنوان پر لکھنے کی افادیت کیا ہے، وغیرہ وغیرہ۔

اللہ عزوجل ان کی بشری لغزشوں سے درگزر کا معاملہ فرمائے، نیکیوں کو قبول کرتے ہوئے اعلیٰ علیین میں جگہ عطا کرے، حسنات کو باقیات صالحات کا درجہ دے اور جامعہ کو علم وعرفان اور رشد وہدایت کا مینار بنائے۔ آمین یارب العالمین

☆☆☆

بدشگونی نہ لینے کا عظیم فائدہ

ایک طویل حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام سے کہا: "مجھ سے کہا گیا: دیکھو! میں نے ایک بہت بڑی جماعت دیکھی جس نے آسمانوں کا کنارہ ڈھانپ لیا تھا۔ پھر مجھ سے کہا گیا: ادھر دیکھو، ادھر دیکھو، میں نے دیکھا کہ بہت سی جماعتیں ہیں جو تمام افق کو گھیرے ہوئے تھیں۔ کہا گیا کہ یہ آپ کی امت ہے اور اس میں سے 70 ہزار وہ لوگ ہوں گے جو بغیر حساب کے جنت میں داخل کئے جائیں گے۔ پھر نبی کریم ﷺ نے اس کی وضاحت نہیں کی کہ یہ ستر ہزار کون لوگ ہوں گے۔ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپس میں اس کے متعلق کچھ باتیں کیں۔ جب نبی کریم ﷺ کو یہ باتیں پہنچیں ؟ تو آپ نے فرمایا: "یہ وہ لوگ ہوں گے جو نہ بدشگونی لیتے ہیں، نہ دم کرواتے ہیں اور نہ ہی داغ کر علاج کرتے ہیں بلکہ اپنے رب پر ہی بھروسہ کرتے ہیں۔" (صحیح بخاری : 5752)



بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿ قُلْ هُوَ الرَّحْمَٰنُ آمَنَّا بِهِ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۖ فَسَتَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾ (سورة الملك: 29)

حمد و ثناء، اللہ رب العالمین کے لیے، جو مالک الملک، خالقِ کل اور عالمِ کل ہے، درود و سلام سرورِ انبیاء کے لیے، جو امامِ کائنات، رحمتِ کائنات اور سیدِ کائنات ہیں۔

ہمارے ایمان کا ایک لازمی تقاضا یہ ہے کہ تمام امور اور تمام کاموں میں، مشکلات میں اور تمام مصائب میں توکل، بھروسہ اور اعتماد صرف اللہ وحدہ لاشریک پر کریں۔ یہ توحید کا لازمی جز ہے، توکل۔

﴿وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ﴾ (سورة آل عمران: 122)

مومنوں کو چاہیے کہ صرف اللہ ہی پر توکل کریں۔

موسیٰ علیہ السلام نے بھی پہلے پیغمبروں کی طرح اپنی قوم کو یہی درس دیا، یہی سمجھایا، یہی فرمایا۔ جب ذکر ہوا فرعون کی طاقت کا، اس کے جبر و قہر کا، تو انہوں نے کہا: ﴿وَعَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ﴾ (سورۃ المائدہ: 23)

اگر تم مومن ہو تو اللہ پر بھروسہ رکھو، اس کی طاقت فرعون کی طاقت سے کہیں زیادہ ہے۔

توکل کو ایمان کی نشانی، ایمان کا ثبوت اور ایمان کی علامت کہا گیا ہے۔ بھروسہ اللہ پر رکھنا۔ سورۂ انفال کے شروع میں ہے: ﴿ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ﴾ (سورة الانفال: 2)

مومن وہ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر ان کے سامنے آتا ہے، ان کے دلوں پر ایک ہیبت اور خوف طاری ہو جاتا ہے۔

اللہ کا نام سنتے ہی، اللہ کا ذکر آتے ہیں، ان کے دل ہیبت سے بھر جاتے ہیں۔ یہ ایک نشانی ہے، دوسری نشانی کیا ذکر فرمائی؟

﴿وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا﴾ (سورة الأنفال: 2)

جب اس کی آیتیں، اللہ کی آیتیں، قرآن کی آیتیں ان پر پڑھی جاتی ہیں تو ان کا ایمان پہلے سے زیادہ ہو جاتا ہے۔

تیسری نشانی کیا بتائی؟

﴿وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ﴾ (سورة الأنفال: 2)

تیسری نشانی مؤمن کی یہ ہے کہ وہ اپنے رب پر توکل، اعتماد اور بھروسہ کرتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کو بھی جن مشکلات کا سامنا تھا، جن مصائب اور تکلیفوں سے وہ گزرتے رہے، اپنے ساتھیوں کو گزرتا ہوا دیکھتے رہے۔ اپنی اذیت الگ تھی، ساتھیوں کو اذیت میں دیکھنے کی اذیت الگ تھی۔ ذہنی، جسمانی ہر طرح کی اذیت اور تکلیف آپ نے سہی اور اس میں جب رب کی طرف سے حرفِ تسلی آیا، جب رب نے صلہ دیا تو کن الفاظ میں دیا؟ کیا کہہ کر دیا؟ اور کیا چیز بتائی ان مصائب کا مقابلہ کرنے کے لیے؟ توکل علی اللہ۔ یہی حکم دیا۔ سورۂ فرقان کو دیکھیں، اس کے آخر میں لکھا ہوا ہے: ﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ﴾ (سورۃ الفرقان: 58)

اس ذاتِ عالی پر، اس عظیم ذات پر توکل اور بھروسہ کریں، جس کو موت نہیں آتی، جس کو زوال نہیں آتا، جو مرتا نہیں ہے، ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ زندہ ہے۔ اس پر توکل کریں۔ وہی ان مشکلات میں آپ کا سہارا بن سکتا ہے اور بنے گا۔ اسی طرح سورۂ ہود ہے قرآن پاک کی، اس آیت میں بھی یہی ارشاد ہوا ہے، بارہویں پارے کی سورت میں۔

﴿وَلِلَّهِ غَيْبُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَإِلَيْهِ يُرْجَعُ الْأَمْرُ كُلُّهُ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ﴾ (سورة هود: 123)

زمین و آسمان کی چھپی ہوئی چیزیں کس کے علم میں ہیں؟ صرف اللہ کے علم میں جو تم سے چھپی ہوئی ہیں، اس سے چھپی ہوئی نہیں ہیں، اس کے علم میں ہیں۔ وہ سب جانتا ہے، اسی کا تو سب بنایا ہوا ہے، وہ سب جانتا ہے۔

﴿وَإِلَيْهِ يُرْجَعُ الْأَمْرُ كُلُّهُ﴾ (سورة هود: 123)

اور تمام کام اس کی طرف لوٹتے ہیں۔

ان کا انجام، تمام کاموں کا انجام اور نتیجہ اس کے ہاتھ میں ہے۔ سبھی کام اس کی طرف لوٹتے ہیں یعنی یہ اسی کے ہاتھ میں ہے کہ کس کس طرف لے جانا ہے کام کو، اس کا نتیجہ کیا نکلنا ہے، اس کا انجام کیا ہے، اس کا اینڈ کیا ہے، وہی جانتا ہے اور وہی کرتا ہے۔ اس لیے:

﴿ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ﴾ (سورة هود: 123)

سو جس کے ہاتھ میں سب کچھ ہے، جس کے ہاتھ میں امور کا انجام ہے، جو چھپی اور کھلی چیزوں کو جانتا ہے، پھر اسی کی عبادت کرو۔ یہ آپ ﷺ کو حکم دیا جا رہا ہے اور آپ کی معرفت ہم سب کو حکم دیا جاتا ہے کہ ﴿فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ﴾ (سورة هود: 123)

اسی کی عبادت کرو اور توکل علی اللہ یعنی اسی پر بھروسہ رکھو۔

سب کام وہی ٹھیک کر سکتا ہے، وہی کرے گا۔اسی طرح قرآن پاک کی ایک سورۂ ہے، سورۂ رعد۔ جہاں اللہ نے آپ کو یہ کہنا سکھایا، یہ کہنے یاد عا کرنے کی ترغیب دی کہ

﴿ قُلْ هُوَ رَبِّي لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ﴾ (الرعد: 30)

اپنی زبان سے اس بات کا اقرار کریں اور اعلان کریں کہ وہی ہے میرا رب، اس کے سوا کوئی معبود، کوئی قابل عبادت نہیں ہے۔

﴿ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ مَتَابِ﴾ (الرعد: 30)

توکل، یعنی میرا بھروسہ، اسی پر ہے اور اسی کی طرف ہم سب نے جانا ہے۔انجام بھی اسی کے پاس ہے۔

توکل کیا ہے؟ آیات قرآنی کے حوالے سے اس کی فضیلت اور تاکید آپ نے سنی۔ توکل وکالت سے ہے۔وکیل کا لفظ اسی سے بنا اور وکیل کہتے ہیں کارساز کو، یعنی کام بنانے والا، جو اپنا یا کسی کی جگہ کام بنائے، کسی کا نمائندہ بن کر اس کا کام بنائے۔یہ ہے اس کا مفہوم، اردو میں ہم اسے کارساز کہتے ہیں، یعنی کام بنانے والا، کام کرنے والا۔

توکل کی کئی قسمیں یا پہلو ہیں، جن پر مومن کو پورا اترنا ہے۔سب سے پہلی بات یہ ہے کہ قسمت کے لکھے ہوئے پر تسلی اور اطمینان رکھے کہ جو لکھا ہے، وہ مجھے مل کر رہے گا۔ یہ توکل کی پہلی شرط اور پہلی سیڑھی ہے۔سیڑھی کا پہلا زینہ ہے، زینے کا پہلا قدم ہے۔

جیسا کہ قرآن نے کہا،

﴿لِّكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ﴾ (سورة الحديد: 23)

جو مل گیا، اس پر ضرورت سے زیادہ خوشی نہ مناؤ کہ لکھا ہوا ملا ہے، لکھے ہوئے کے بغیر نہیں ملا۔اس پر فخر نہ کرو، تکبر اور غرور کو اپنے پاس نہ آنے دو اور جو نہیں ملا، اس پر زیادہ افسوس بھی نہ کرو۔ تھوڑا بہت افسوس تو ہوتا ہے، لیکن اسے اپنے اوپر سوار نہ کر لو کہ کہیں یہ غم غالب نہ آجائے کہ فلاں چیز مجھے نہیں ملی، میں نے کوشش کی، میں نے محنت کی، لیکن پھر بھی نہیں ملی۔ اس لیے نہیں ملی کہ وہ تمہارے لیے لکھی ہوئی نہیں تھی۔ملنے والی چیزوں پر زیادہ خوشی نہ مناؤ اور نہ ملنے والی چیزوں پر زیادہ افسوس نہ کرو۔ یہ تعلیم دی گئی ہے مومن کو اور یہ توکل کا پہلا زینہ ہے۔

دوسری بات خاص طور پر رزق کے بارے میں یقین رکھنا ہے۔رزق کے بارے میں یہ یقین ہو اور پورا بھروسہ ہو اس بات پر کہ جو اللہ نے میرے لیے لکھا ہے، جو اللہ نے مجھے دینا ہے، وہ دے گا۔ مجھے مل کر رہے گا۔ دنیا کی کوئی طاقت اس سے روک نہیں سکتی اور جو نہیں لکھا، وہ مجھے ملے گا نہیں، میں جو مرضی کرلوں۔

﴿ وَمَا مِن دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا﴾ (سورة هود: 6)

ہر جاندار کا رزق اللہ نے اپنے ذمے لیا ہے کہ کس کو کتنا دینا ہے، تھوڑا یا زیادہ۔

"وَالرِّزْقُ مَقْسُومٌ وَهُوَ آتٍ عَلَى ابْنِ آدَمَ عَلَى أَيِّ سِيْرَةٍ سَرَاهَا " (حلية الأولياء:6/116)

رزق تقسیم کیا جا چکا ہے، شروع سے ہی ،شروع کائنات سے ہر بندے اور جاندار کے لیے رزق تقسیم کیا جاچکا ہے۔اس میں کوئی کمی بیشی، ترمیم، یا تبدیلی نہیں ہو سکتی، ختم ہو گئی بات۔یہ اسے ملنا ہے، یہ اسے ملنا ہے، اتنا ملنا ہے۔

آگے فرماتے ہیں:"تَقَوَى تَقِيٍّ لَيْسَ بِزَائِدَةٍ" (حلية الأولياء: 6/116)

کسی کی نیکی یا تقویٰ اس کے رزق میں اضافہ نہیں کرے گا، ثواب میں کرے گا، لیکن رزق میں نہیں کرے گا۔ اسی طرح، گناہ گار کا فسق و فجور اس کے رزق میں کمی نہیں لائے گا۔جو اللہ نے طے کر دیا ہے، وہی ملے گا، چاہے وہ گناہ کرتا رہے۔اس کی سزا تو دی جاسکتی ہے، لیکن رزق میں کمی نہیں ہوگی۔

تیسری بات یہ ہے کہ تکالیف اور مشکلات میں اللہ پر بھروسہ رکھیں اور اس کی طرف رجوع کریں۔ سورہ احزاب دیکھیں۔

﴿وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ قَالُوا هَٰذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ ۚ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا﴾ (الأحزاب: 22)

جب مومنوں نے، صحابہ نے ایک بڑے لشکر کو دیکھا، پورے عرب سے امڈ کر آیا بہت بڑا لشکر، مکے والے قریشی لے کر آئے، دوسرے قبیلوں کو ساتھ ملا کر، اس وقت کے لحاظ سے اور مسلمانوں کے مقابلے میں تعداد کے لحاظ سے، دس ہزار کی تعداد بہت بڑی تعداد تھی یا اس سے بھی زیادہ تھا یہ لشکر آیا۔لیکن جب مؤمنوں نے دیکھا تو وہ گھبرائے نہیں، پریشان نہیں ہوئے،

﴿قَالُوا هَٰذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ﴾ (سورة الأحزاب: 22)

"اللہ اور اس کے رسول نے ہمیں پہلے ہی بتا دیا تھا کہ آزمائشیں آئیں گی، دشمنوں کا اور مشکلات کا مقابلہ کرنا ہوگا۔"

﴿ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ﴾ (سورة الأحزاب: 22)

"اور اللہ کی بات بھی سچ ہے اور رسول کی بات بھی۔"

﴿وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا﴾ (الأحزاب: 22)

اس مشکل نے ان کے ایمان کو، اللہ کے ساتھ ان کے تعلق کو گھٹایا نہیں بلکہ بڑھا دیا کہ کوئی بات نہیں اگر لشکر بڑا ہے، تو اللہ اس سے بھی بڑا ہے۔ یہ توکل کا ایک درجہ ہے کہ مشکلات میں اور جنگ بھی ایک مشکل ہے، بھروسہ ہتھیاروں پر نہیں افراد کی تعداد اور کثرت پر نہیں بلکہ اللہ پر بھروسہ رکھے۔

اسی طرح نبی اکرم ﷺ کی مثال، بدر کے میدان میں دیکھیں۔بدر اس کی اولین مثال ہے۔تعداد میں

مقابلہ نہیں تھا، ہتھیاروں میں مقابلہ نہیں تھا، لیکن آپ ﷺ نے کیا کیا، صفیں آراستہ کیں، ساتھیوں کو تیار کیا اور کہا کہ میرے لیے ایک چھپر سا بنادو، ایک سایہ سا بنادو، اسے عربی میں عریش کہتے ہیں، صحابہ نے بنادیا، آپ وہاں کھڑے ہوگئے، اللہ سے مانگنے کے لئے، اللہ ہی پر بھروسہ کرتے ہوئے دعا کی۔ آپ نے ساتھیوں کو تیار کیا اور اللہ سے مانگتے رہے، رورو کر دعا کرتے رہے۔ آپ کے جانثار ساتھی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا کبھی ایک پاؤں میدان جنگ میں ہوتا تھا اور کبھی جھونپڑے میں، آپ کو دیکھنے آتے تھے کہ آپ کس حال میں ہیں۔ آپ کی دعاؤں کا سلسلہ کیسے چل رہاہے اور پھر انہوں نے کہا کہ اے اللہ کے حبیب اور ہمارے حبیب! اتنا نہ روئیں، اللہ یقیناً آپ کی سنے گا۔ آپ نے اس اہم موقع پر اللہ ہی سے مانگا اور اسی نے مدد کی۔ اسی طرح فتح مکہ کے موقع پر اللہ پر توکل تھا اور اللہ تعالیٰ نے کامیابی دی تو کیا فرمایا؟«اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ نَصَرَ عَبْدَہٗ» (مسند احمد:3856) اللہ نے اپنے بندے کی مدد کی ہے، میں اس کا شکر ادا کرتا ہوں۔

اس تقویٰ کے کچھ مدارج ہیں، یعنی درجات ہیں، کم، درمیانہ، زیادہ۔ یا اس طرح سمجھ لیں کہ ایک عام مومن کا تقویٰ ہے، ایک عام مؤمن کا توکل ہے اور ایک خاص مؤمنوں کا تقویٰ اور توکل ہے اور تیسرا درجہ بہت ہی خاص، اخص الخواص، یعنی بہت ہی اونچے لوگ جو ایمان اور عمل میں ممتاز ہیں۔ تیسری قسم کا توکل ان کا ہے۔

توکل کا پہلا درجہ جو سب مومنوں کے لیے ضروری ہے، اور اس کی وضاحت امام غزالی نے 'منہاج العابدین' میں کی ہے:

آدمی کو یقین ہو، دلی، قلبی یقین کہ رزق، عزت اور حاجتوں، ضرورتوں کا پورا ہونا، دعاؤں کا پورا ہونا صرف ایک اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ یہ پہلا درجہ ہے۔

اس کے ساتھ یہ یقین بھی کہ اللہ کو کسی کام کے لیے اسباب کی ضرورت نہیں ہے، وہ اسباب کا محتاج نہیں ہے۔ ہم انسان محتاج ہیں کہ کسی بھی کام میں کامیابی کے لیے طریقے اختیار کرنے پڑتے ہیں، دنیاوی اسباب اکٹھے کرنے پڑتے ہیں۔ ان میں محنت بھی شامل ہے، کوشش بھی، مال بھی، اور دیگر چیزیں بھی شامل ہیں۔ اللہ کو ان کی ضرورت نہیں ہے۔

﴿ إِنَّمَا أَمْرُهُۥٓ إِذَآ أَرَادَ شَيْـًٔا أَن يَقُولَ لَهُۥ كُن فَيَكُونُ ﴾ (سورة ياسين: 82)

اس کا معاملہ تو یہ ہے کہ وہ جب کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے 'ہوجا' اور وہ ہوجاتا ہے۔

اللہ کو اسباب کی ضرورت نہیں ہے لیکن انسان کو ہے۔ اس لئے اسباب کو چھوڑیں نہیں، اسباب اختیار کریں، دنیاوی وسائل اور کامیابی کے طریقے اختیار کریں، لیکن ان پر اعتماد نہ کریں۔ یقین یہ رکھیں کہ کامیابی اللہ سے ہے۔ یہ توکل کا پہلا درجہ اور پہلی قسم ہے، علماء کی زبان میں بات کریں تو اسے 'تَرْكُ الْاِعْتِمَادِ عَلَى الْأَسْبَابِ' کہا گیا ہے۔ یعنی اسباب پر اعتماد نہ کرو، بلکہ اللہ پر کرو۔

جیسے مشہور ہے کہ ایک شخص مسجد میں آیا اور اپنی سواری کو، اونٹ کو باہر چھوڑ دیا۔ نبی کریم ﷺ کو پتہ چلا تو آپ نے فرمایا: اس کا گھٹنا باندھ کر آؤ۔ لیکن توکل گھٹنا باندھنے پر نہیں، اللہ پر کرو کہ وہ اس کی حفاظت کرے گا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کو کیا کہا، سورۂ یوسف دیکھیں، جب وہ بھائی کی تلاش میں گئے۔ پہلے تو یہی سمجھتے تھے کہ وہ دنیا سے چلا گیا ہے، لیکن جب یعقوب علیہ السلام کو کچھ آثار نظر آئے، جب بیٹے ایک سفر کرکے آئے اور وہاں ان سے کہا گیا کہ اس کے سگے بھائی کو بنیامین کو اگلی دفعہ لے آنا، اس طرح کی باتیں سنیں تو آخر نبی آپ بھی تھے، صاحب عقل وفراست بھی تھے، تو انہوں نے کہا کہ مسئلہ کوئی ہے، یوسف ہے

دنیا میں، اللہ اسے ملائے گا، انہوں نے کہا۔

﴿اذْهَبُوا فَتَحَسَّسُوا مِن يُوسُفَ وَأَخِيهِ ﴾ (سورة يوسف: 87)

دوسرے، تیسرے سفر کی یہ بات ہے، جاؤ جاکے یوسف کو اور اس کے بھائی کو تلاش کرو، جس کو اس نے اپنے پاس رکھ لیا ہے۔ ایک نصیحت بھی کی کہ

﴿لَا تَدْخُلُوا مِن بَابٍ وَاحِدٍ وَادْخُلُوا مِنْ أَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ﴾ (سورة يوسف: 67)

دس بھائی اکٹھے نہ جائیں، اتنے بیٹے، اتنے جوان بیٹے، اکٹھے نہ جائیں کہ کہیں نظر نہ لگ جائے کہ بلکہ شہر کے مختلف دروازوں سے داخل ہونا، ایک دروازے سے نہ داخل ہونا۔ یہ ایک تدبیر تھی کہ لوگوں کی نظر میں نہ آئیں۔ لیکن آگے کیا فرمایا؟

﴿وَمَا أُغْنِي عَنكُم مِّنَ اللَّهِ مِن شَيْءٍ ﴾ (سورة يوسف: 67)

یہ ایک تدبیر ہے، لیکن کوئی تدبیر اللہ کے فیصلے کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔

﴿ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ﴾ (سور یوسف: 67)

اللہ کا حکم چلتا ہے، فیصلہ اسی کا چلتا ہے، وہی کامیاب ہے، ہر چیز پر اس کا فیصلہ ہی حاوی ہے۔

﴿عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۖ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ﴾ (سورة التوبة: 129)

یہاں بھی آخر میں یہی فرمایا کہ چونکہ فیصلہ اسی کا چلنا ہے، اس لیے تدبیر اختیار کرو، لیکن بھروسہ اور توکل واعتماد اسی پر رکھو۔

توکل کے بارے میں یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اسباب کو ترک کرکے بے دست وپا ہوکے، ہاتھ پاؤں توڑ کے بیٹھ جانا کہ اللہ نے کرنا ہے تو کرتا رہے، وہ خود ہی کرے گا۔ جیسے بندوق کو دھوپ میں رکھ لو کہ وہ خود ہی چل جائے گی، یہ بے وقوفی ہے۔ یہ توکل نہیں ہے۔ اس سلسلے میں ایک حکایت میں نے ایک دفعہ بیان کی تھی۔

اور وہ یہ تھی کہ ایک مالدار تاجر کا، کامیاب تاجر کا بیٹا کاہل تھا، سست تھا، اور کسی کام میں دلچسپی نہیں لیتا تھا۔ باپ نے اسے سمجھایا، اس نے کہا: "جی آپ خود ہی بتاتے ہیں کہ رزق اگر دینا ہے تو اللہ نے دینا ہے، سب کام اللہ نے کرنے ہیں، تو وہ دے گا ہمیں، ہم کام کریں یا نہ کریں۔" اس نے کہا: "نہیں ایسا نہیں ہے، انسان کو کوشش کرنی پڑتی ہے، نتیجہ اس کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔" مال تجارت اسے دیا، قافلے کے ساتھ روانہ کیا کہ جاؤ، جا کے تجارت کا کام کرو۔ وہ گیا اور قافلہ آگے چلا گیا۔ وہ قافلے کو چھوڑ کے کچھ دنوں کے بعد واپس آ گیا۔ پوچھا، کیا ہوا؟' اس نے کہا: "جنگل میں میں نے ایک منظر دیکھا جس نے میرے خیالات کو اور میرے توکل کو اور مضبوط کر دیا۔" پوچھا، کیا منظر دیکھا؟ اس نے کہا: "جی، ہم جا رہے تھے، رات کے وقت دیکھا کہ لومڑی بوڑھی ہے، بیمار ہے، حرکت بھی نہیں کر سکتی اور وہ پڑی ہوئی ہے ایک درخت کے نیچے۔ تو میں نے سوچا کہ یہ جو درس میرے ابا دیتے ہیں اور لوگ دیتے ہیں، مولوی دیتے ہیں کہ اللہ سب کو دیتا ہے اور اللہ کے ذمے سب کا رزق ہے، دیکھتے ہیں کہ اس کو کیسے دے گا؟ یہ تو ہل بھی نہیں سکتی، ادھر ادھر جا سکتی ہے، کچھ تلاش بھی نہیں کر سکتی۔" ہمارے قافلے کا قریب ہی پڑاؤ تھا، تو رات کے وقت یہ دیکھنے کے لیے میں جاگ رہا تھا، میں نے دیکھا کہ کچھ فاصلے پہ ایک شیر نے شکار کیا۔ اپنا پیٹ بھرا اور جو بچا ہوتا ہے، چھوڑ کے چلا گیا۔ یہی شیر کی عادت ہے کہ وہ بچے ہوئے کو چھوڑ کے چلا جاتا ہے۔ تھوڑا فاصلہ تھا، لومڑی مشکل سے گھسٹ گھسٹ کر اس چھوڑے ہوئے گوشت کے پاس پہنچی اور اس نے بھی اپنا پیٹ بھر لیا۔ تو اس نے کہا کہ میرا یقین کامل ہو گیا، پہلے سے بھی پختہ ہو گیا کہ اللہ بیمار کو، اپاہج کو، معذور کو، ہل چل نہ سکنے والے کو بھی دیتا ہے، تو مجھے دے گا، گھر میں بیٹھتے ہیں، اللہ خود ہی دے گا۔ تو باپ نے اس کا بڑا عقل و فہم والا جواب دیا۔ اس نے کہا کہ "ٹھیک ہے، ایسا ہوتا ہے، اللہ سب کو دیتا ہے، لیکن میں چاہتا ہوں تم بیمار لومڑی نہ بنو، بلکہ شیر بنو، خود بھی شکار کرو، خود بھی کھاؤ اور دوسروں کو بھی کھلاؤ۔ تو توکل کا مطلب ہاتھ توڑ کے بیٹھنا نہیں۔"

دوسری قسم یا توکل کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ کوئی مشکل ہو، تکلیف ہو، بیماری ہو، تکلیف ہو، مصیبت ہو، مشکل ہو، دوسروں کے سامنے اس کا ذکر بھی نہ کریں۔ یہ ان کے اور مالک کے درمیان معاملات ہیں۔ یعقوب علیہ السلام کی بات: ﴿إِنَّمَا أَشْكُو بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللهِ﴾ (سورة يوسف: 86) میں اپنے غم کا اظہار صرف اللہ کے سامنے کرتا ہوں، لوگوں کے سامنے نہیں۔ یہ توکل کا دوسرا درجہ ہے۔

اس کے بعد تیسرا درجہ یہ کہ اسباب اختیار کریں یا نہ کریں، لیکن یہ اسباب نظروں سے گر جائیں، نظر میں ان کی اہمیت ہی نہ رہے کہ یہ بھی کچھ کر سکتے ہیں۔ یہ اعلیٰ درجے کا توکل ہے، اس کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: «لَو أَنَّكُمْ تَتَوَكَّلُونَ عَلَى اللهِ حَقَّ تَوَكُّلِهِ، لَرَزَقَكُمْ كَمَا يَرْزُقُ الطَّيْرَ، تَغْدُو خِمَاصًا وَتَرُوحُ بِطَانًا» (مسند أحمد: 205) "اگر تم اللہ پر اس طرح پورا توکل کرو، جس طرح توکل کرنے کا حق ہے، تو وہ تمہیں بھی اس طرح رزق دے جس طرح پرندوں کو دیتا ہے۔"

پرندوں کو کس طرح دیتا ہے؟ آپ نے وضاحت فرمائی کہ صبح نکلتے ہیں خالی پیٹ اور کچھ پتہ نہیں ہوتا کہ کیا ملے گا، کہاں سے ملے گا۔ شام کو آتے ہیں، ان کے معدے، ان کے پیٹ بھرے ہوتے ہیں۔ کچھ نہ کچھ انہیں ملا ہوتا ہے، اچھا خاصہ ملا ہوتا ہے، کہیں سے بھی ملے۔ ایسے متوکلین جو اعلیٰ درجے کے ہیں، ان کے بارے میں ایک حدیث میں آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ میری امت میں سے ستر ہزار اور ستر ہزار کی تعداد کثرت پر دلالت کرتی ہے کہ ایک کثیر تعداد لوگوں کی بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے اور آپ ﷺ نے فرمایا یہ لوگ ہیں، پورا توکل کرنے والے۔ جو فالیں نہیں لیتے، بدفالی اور نیک فالی کا شکار نہیں ہوتے، سب کچھ اللہ پر چھوڑ دیتے ہیں۔ حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ صحابی مجلس میں موجود تھے، انہوں نے فوراً کہا: "اللہ کے رسول، میرے لیے دعا کریں، مجھے اللہ ان ستر ہزار میں شامل فرما دے۔"

آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَنْتَ مِنْهُمْ» (صحيح مسلم:218)

تو انہی میں سے ہے، یعنی، بات ہو گئی۔ بعد میں کسی نے کہا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "عکاشہ اس میدان میں آگے بڑھ گیا، اس نے پہلے درخواست کی، اس کے لیے میں نے دعا کر دی۔ اب ہر ہر ایک کے لیے تو نہیں کروں گا۔"

توکل کا فائدہ کیا ہے؟

اس سے ایمان مضبوط ہوتا ہے۔ یہ ایمان کا نتیجہ بھی ہے اور ایمان کی بنیاد بھی۔ اس سے ایمان مضبوط تر ہوتا ہے۔ دوسرا، اللہ پھر کارساز بنتا ہے، جب اس کو کارساز دل سے مان لو، کام بنانے والا مان لو، تو وہ کام بناتا ہے۔ توکل کا یہ فائدہ ہوتا ہے اور تیسرا، نفسیاتی فائدہ ہے۔ نفسیاتی فائدہ یہ ہے کہ اس سے انسان میں Self-Confidence خود اعتمادی آتی ہے، خود اعتمادی اس میں آتی ہے کہ میرا اللہ میرے ساتھ ہے، میں نے اللہ پر اعتماد اور بھروسہ کیا ہے، وہ یقیناً میری مدد فرمائے گا۔

توکل کے سلسلے میں اسوہ حسنہ نبی کریم ﷺ کے طریقوں سے ملتا ہے، آپ جب بھی گھر سے نکلتے، ایک دعا پڑھ کے نکلتے۔ دعا کیا ہے؟

«بِسْمِ اللهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللهِ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ» (جامع ترمذی: 3426)

یاد کر لیں، آسان ہے۔ آگے بھی ہے لیکن وہ نہ بھی

آتی ہو، اتنے الفاظ بھی کافی ہیں: بسم اللہ، اللہ کے نام سے، اللہ کا نام لے کر نکلتا ہوں اور توکلت علی اللہ، میرا بھروسہ اللہ پر ہے، بِسْمِ اللهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللهِ۔ ہر ایک کو یہ یاد کرنی چاہیے گھر سے نکلتے ہوئے۔ اور پھر آپ آگے فرماتے ہیں:

«اللّٰهُمَّ أَعُوذُ بِكَ أَنْ أَضِلَّ، أَوْ أُضَلَّ، أَوْ أَزِلَّ أَوْ أُزَلَّ، أَوْ أَظْلِمَ أَوْ أُظْلَمَ، أَوْ أَجْهَلَ أَوْ يُجْهَلَ عَلَيَّ» (سنن أبي داؤد: 5094)

"یا اللہ، میں تیری پناہ میں آتا ہوں اس بات سے کہ میں کسی کو گمراہ کروں یا کوئی مجھے گمراہ کرے، میں پھسل جاؤں یا کوئی مجھے پھسلا دے، میں کسی پر زیادتی کروں یا کوئی مجھ پر زیادتی کرے، میں جہالت کا مظاہرہ کروں یا مجھ پر کوئی جاہلانہ حملہ کرے۔"

یہ دعا کر کے نکلتے ہیں۔ کیسی عجیب اور کیسی مفید دعا ہے! لیکن اگر ساری یاد نہ ہو تو یہی کہہ دیں:

بِسْمِ اللهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللهِ

اور آپ ﷺ نے فرمایا: جو کوئی اس طرح پڑھتا ہے، تھوڑی سی دعا بڑھا کر پڑھ لے۔ اسے «بِسْمِ اللهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللهِ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ» (جامع ترمذی) کہہ دیں، یہ بھی آسان ہے:

«بِسْمِ اللهِ تَوَكَّلْتُ على اللهِ، وَلاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ» (جامع ترمذي: 3427)

آپ نے فرمایا جو اس طرح کہتا ہے، اسے کہا جاتا ہے۔ اگرچہ وہ سنتا نہیں، لیکن اسے کہا جاتا ہے، آپ ﷺ نے بتایا کہ اسے کہا جاتا ہے۔ فرشتہ کہتا ہے: «هُدِيْتَ، وَكُفِيْتَ وَوُقِيْتَ» (أبو داؤد: 5095) "تو نے ہدایت والی بات کی ہے، بڑی اچھی بات کی ہے، تیرے لیے کافی ہو گیا اللہ اور تو شر اور مصیبت سے بچا لیا گیا۔"

یہ کہنے کی وجہ سے۔ عملاً یہ تو زبانی بات تھی، آپ نے عملاً توکل کیا، کہاں کہاں کیا؟ کیسے کیسے کیا۔ طائف میں تکلیف آئی، گھیراؤ ہوا، پتھر بازی ہوئی، سنگ زنی ہوئی، تو کیا کہا؟ «إِلَيْكَ أَشْكُوْ ضَعْفَ قُوَّتِي» (معجم طبراني: 139/14)

تیرے پاس ہی شکایت کرتا ہوں، تیری طرف رجوع کرتا ہوں، ان سے بچا مجھے۔ اس سے پہلے جب ابو طالب پر قوم کا دباؤ بڑھا، کہ حمایت چھوڑو اپنے بھتیجے کی، یہ ہمارے بتوں کو برا کہتا ہے کہ ان کے قبضے میں کچھ نہیں ہے۔ اس نے کہا کہ کچھ Compromise کر لو، تو آپ نے کہا تھا کہ سورج اور چاند بھی اتار کے لے آئیں، میرے ہاتھوں پہ ان کا بوجھ ڈال دیں، میرے جسم پر ڈال دیں، «مَا أَنَا بِتَارِكِهَا» (صحيح بخاري: 774) میں اپنی ڈیوٹی نہیں چھوڑوں گا۔ یہ کیا تھا؟ یہ اللہ پر بھروسہ تھا، توکل تھا، جس نے آپ ﷺ سے یہ کہلوایا۔

ہجرت کے وقت بھی گھر کا محاصرہ تھا، تلواریں بے نیام تھیں، خون پینے کے لیے مقدس خون۔ لیکن آپ شاهت الوجوه کہتے ہوئے گھر سے نکلے، اللہ تعالیٰ نے بینا لوگوں کو اندھا کر دیا۔ وہ نہیں دیکھ سکے، انہیں نہیں پتہ چلا، آرام سے نکل آئے۔ یہ اللہ پر توکل تھا۔ غار ثور میں ساتھی نے کہا:

«لَوْ أَنَّ أَحَدَهُمْ نَظَرَ إِلَى قَدَمَيْهِ أَبْصَرَنَا تَحْتَ قَدَمَيْهِ» (صحيح مسلم: 6169) "دشمن ہمارے اوپر پہنچ گیا ہے، میں نے وہ جگہ دیکھی ہے، اس کے اوپر، چھوٹی سی غار کے اوپر جگہ، دشمن وہاں تک پہنچ گیا ہے تو عرض کیا کہ وہ نیچے تھوڑا جھک کے اپنے قدموں کی طرف دیکھیں تو ہم انہیں نظر آ جائیں گے۔"

سید المتوکلین، دنیا بھر میں توکل کرنے والوں کے سردار، ہمارے نبی اکرم ﷺ نے کیا فرمایا؟

«مَا ظَنُّكَ يَا أَبَا بَكْرٍ بِاثْنَيْنِ اللهُ ثَالِثُهُمَا» (صحيح بخاري: 3653)

ابو بکر، ان دو بندوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جن کا تیسرا اللہ ہے، ان کو کیسے کوئی پکڑے گا؟ دیکھتے رہیں نیچے، کیسے ہمیں پکڑیں گے، کیسے ہمیں دیکھیں گے۔ پھر ایک موقع پر رسول کریم ﷺ پر توکل کی آیت کریمہ آئی۔

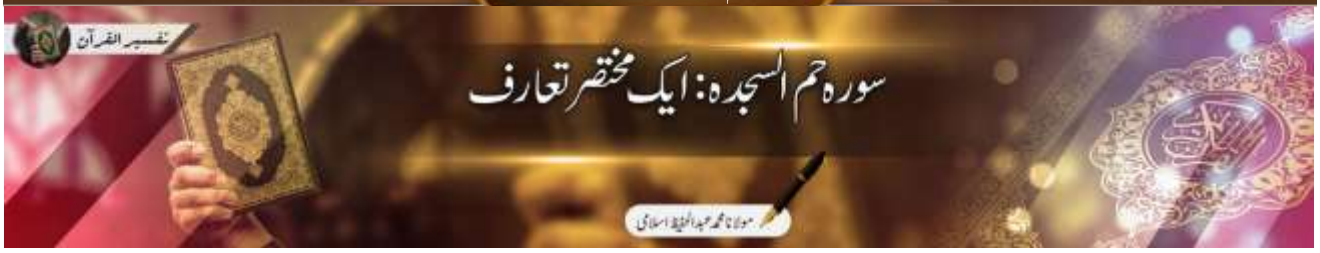
﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ ۖ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ۚ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ (سورة المائدة: 67)

اے رسول، پہنچا دے جو اللہ کی طرف سے آپ پر نازل ہوا۔ نہیں کریں گے، نہیں پہنچائیں گے تو حق رسالت ادا نہیں ہو گا اور لوگوں کی پرواہ نہ کریں۔ اللہ آپ کی حفاظت کرے گا۔ آپ ﷺ نے خیمے کا پردہ ہٹایا، پہرے پر جو صحابی کھڑے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: "جاؤ اپنے اپنے خیموں میں آرام کرو۔ اس نے میری حفاظت کا ذمہ لے لیا۔"

ایک اور سفر میں الگ خیمے میں آرام کر رہے تھے، دوپہر کا وقت، سب اپنے خیموں میں تھے۔ ایک بدو آیا، اس نے آپ ہی کی تلوار اتاری، جو ساتھ ہی لٹکی ہوئی تھی، اتاری۔ وہ بہادر آدمی تھا، اس نے آپ ﷺ کو جگایا، سوتے ہوئے پروار نہیں کیا۔ جگایا اور کہا: "مَنْ يَعْصِمُكَ مِنِّي." (السلسلة الصحيحة: 2489) "بتاؤ محمد ﷺ، تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟" توکل کی بات، آپ نے ایک لفظ میں جواب دیا، فرمایا: "اللہ۔" اللہ اور اس جوش سے، اس جذبے سے، اس توکل سے، اس اعتبار سے کہا کہ اس کا ہاتھ کانپا اور تلوار نیچے گر گئی۔ آپ نے وہی تلوار اٹھائی، آپ نے فرمایا: "اب تمہیں کون بچائے گا؟" وہ تو مومن نہیں تھا، وہ تو متوکل نہیں تھا۔ اس نے کہا: "آپ مہربانی فرمائیں گے تو بچوں گا ورنہ کوئی صورت نہیں۔" تو آپ نے فرمایا: "جاؤ، چپکے سے نکل جاؤ۔"

یہ ہے وہ توکل جس کی مثالیں آپ نے قائم کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان کی دولت اور توکل سے سرفراز فرمائے۔

☆☆☆



سورہ حم السجدہ: ایک مختصر تعارف

مولانا محمد عبد الحفیظ اسلامی

سورۃ حم السجدۃ مکی سورت ہے، اسکا دوسرا نام فُصِّلَت ہے ، اس میں 54 آیات کریمہ اور 6 رکوع آے ہیں۔ مذکورہ سورت کا نام دو لفظوں سے مرکب ہے یعنی "حم" ، "السجدہ" ۔ مطلب ؛ یہ وہ سورت ہے جس کا آغاز حم سے ہوتا ہے اور ایک مقام پر آیتِ سجدہ آئی ہے۔

نبی محترم سرور عالم ﷺ کی دعوت حق کا آغاز اور بتدریج اس کا آگے بڑھنا اور اہل ایمان کی جمعیت میں روز بروز اضافہ ہونا، یہ ایسے واقعات و مناظر ہیں جسے دیکھ دیکھ کر کفار مکہ اندر ہی اندر جلے جارہے تھے، مختلف حربہ استعمال کرتے رہے، ان حالات میں ایک اہم وقت تحریک اسلامی کیلئے ایسا بھی آچکا جو مشرکین مکہ کے لیے بہت بڑا دھکہ تھا وہ یہ کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی حضرت محمد ﷺ کے دست حق پر مشرف بہ اسلام ہوچکے۔

غرض کہ دعوت اسلامی کی دن بدن ارتقائی کیفیت کو دیکھتے ہوئے قریش کے لوگ پریشان ہوچکے اور انھیں یہ فکر کھائے جارہی تھی کہ کس طرح اس اسلامی دعوت کے سیلاب کو روکا جائے۔ چنانچہ ایک موقع ایسا آیا کہ حضرت محمد ﷺ، مسجد حرام میں تشریف فرماہیں اور اس وقت آپ تنہا ہی تھے۔ ایک دوسری جانب قریش کے کچھ سردار بھی بیٹھے ہوئے تھے، اس موقع پر عتبہ بن ربیعہ نے سرداران قریش سے کہا کہ صاحبو! اگر آپ لوگ پسند کریں تو میں جاکر محمد (ﷺ) سے بات کروں اور ان کے سامنے چند تجاویز رکھوں، شاید کہ وہ ان میں کسی کو مان لیں اور ہم بھی اسے قبول کرلیں۔ اس طرح وہ (محمدؐ) ہماری مخالفت سے باز آجائیں۔ عتبہ کی اس بات پر سب راضی ہوگئے، اس کے بعد عتبہ فوری یہاں سے اُٹھ کر نبی کریم کے پاس جا بیٹھا، آپؐ اس کی طرف توجہ فرمائی تو کہنے لگا۔

" بھتیجے ، تم اپنی قوم میں اپنے نسب اور خاندان کے اعتبار سے جو حیثیت رکھتے ہو ، وہ تمہیں معلوم ہے ، مگر تم اپنی قوم پر ایک بڑی مصیبت لے آئے ہو ، تم نے (ہماری) جماعت میں تفرقہ ڈال دیا۔ ساری قوم کو بے وقوف ٹھہرایا۔ قوم کے دین اور معبودوں کی برائی کی اور ایسی باتیں کرنے لگے جن کے معنی یہ ہیں کہ ہم سب کے باپ دادا کافر تھے، اب ذرا میری بات سنو! میں کچھ تجویزیں تمہارے سامنے رکھتا ہوں، ان پر غور کرو، شاید کہ ان میں سے کسی کو تم قبول کرلو۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابو ولید (کنیت) آپ کہیں میں سنوں گا۔ اس نے کہا:

" بھتیجے" یہ کام جو تم نے شروع کیا ہے، اس سے اگر تمہارا مقصد مال حاصل کرنا ہے تو ہم سب مل کر تم کو اتنا کچھ دے دیتے ہیں کہ تم سب سے زیادہ مالدار ہو جاؤ۔ اگر اس سے اپنی بڑائی چاہتے ہو تو ہم تمہیں اپنا سردار بنائے لیتے ہیں، کسی معاملہ کا فیصلہ تمہارے بغیر نہ کریں گے۔ اگر بادشاہی چاہتے ہو تو ہم تمہیں اپنا بادشاہ بنالیتے ہیں اور اگر تم پر کوئی جن آتا ہے ، جسے تم خود دفع کرنے پر قادر نہیں ہو تو ہم بہترین اطباء بلواتے ہیں اور اپنے خرچ پر تمہارا علاج کرتے ہیں۔"

عتبہ یہ باتیں (بکواس) کرتا رہا اور آپ ﷺ خاموش سنتے رہے۔ پھر حضورؐ نے فرمایا، ابو ولید! آپ کو جو کچھ کہنا تھا کہہ چکے؟ اس نے کہا" ہاں ۔"

آپؐ نے فرمایا اچھا، اب میری سنو! اس کے بعد آپ ﷺ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر اسی سورت کی تلاوت شروع کی اور عتبہ اپنے دونوں ہاتھ پیچھے زمین پر ٹیکے غور سے سنتا رہا۔ آیت سجدہ (38) پر پہنچ کر آپ ﷺ نے سجدہ کیا، پھر سر مبارک اُٹھا کر فرمایا:

"اے ابو ولید! میرا جواب آپ نے سن لیا، اب آپ جانیں اور آپ کا کام۔"

قدیم سیرت نگار محمد بن اسحاق نے مشہور تابعی حضرت محمد بن کعب القرظیؒ کے حوالے سے مذکورہ قصے کو تفصیل سے نقل کیا ہے۔ علاوہ ازیں اس قصے کو متعدد دوسرے محدثین کرام نے بھی حضرت جابرؓ بن عبد اللہ سے بھی مختلف طریقوں سے نقل فرمایا ہے۔ اگر چہ کہ اس میں تھوڑا بہت لفظی فرق ہے۔

ہند و پاک کے مفسرین کرام نے بھی اپنی تفاسیر میں اس واقع کو نقل کرنے کا اہتمام فرمایا ہے۔ الغرض اس سورہ حم السجدۃ کے زمانہ نزول اور اس وقت کے حالات سے واقفیت کے بعد اس کا جو موضوع ہے اور جو مضامین آئے ہیں، اس کی طرف کچھ اشارہ کیئے جاتے ہیں تاکہ مذکورہ سورۃ کے تفصیلی مطالعہ کے موقع پر کلام الٰہی سے مراد الٰہی سمجھنے میں آسانی ہو۔

عتبہ نے نبی ﷺ کے سامنے جو بات رکھی تھی ، دراصل اس کی یہ ساری بکواس غلط مفروضے کی بنیاد پر تھی اور یہ (معاذ اللہ)۔ آپ ﷺ کی نیت اور آپ کی عقل پر حملہ تھا۔

اس طرح کی بیہودہ باتوں پر جب مخالف لوگ اُتر آئیں

تو اہل ایمان کا کام ان بیہودہ باتوں کا جواب دینا نہیں ہے بلکہ اپنے موقف پر قائم رہتے ہوئے اپنی جو بات کہنی ہے، وہ دلیل کے ساتھ کہہ دے، جس طرح محمد عربی ﷺ نے عتبہ کے سامنے قرآن کی آیات سنا کر اپنی بات رکھدی، اور وہ (لاجواب) اٹھ کر چل دیا۔

اس سورۃ مبارکہ میں عتبہ کی باتوں پر التفات نہ فرماتے ہوئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اصل مخالفت کو موضوع بحث بناتے ہوئے سورہ مذکورہ کو نازل فرمایا، جو قرآن مجید کی دعوت کو نیچا دکھانے کیلئے اور دعوت حق کو دبانے کیلئے کفار مکہ کی طرف سے بڑی بے شرمی و بداخلاقی اور ہٹ دھرمی کے ساتھ کوشش کی جا رہی تھی۔

اس طرح ان اندھی اور بہری مخالفت کے جواب میں اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے کلام پاک کے ذریعہ بات سمجھائی:

پہلی چیز اس سورۃ میں جو بات بتلائی گئی وہ یہ کہ قرآن حکیم اللہ ہی کی طرف سے نازل کردہ کلام اور عربی زبان ہی میں ہے اور اس میں حقائق کو صاف صاف بیان کر دیا گیا ہے۔ جاہل لوگ اس سے فائدہ حاصل نہیں کرتے مگر سمجھدار لوگ اس کی روشنی کو دیکھ بھی رہے ہیں اور اس سے نفع بھی اُٹھا رہے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہیکہ یہ اللہ کی رحمت ہی ہے جو اس نے اپنے بندوں کیلئے یہ قرآن اُتارا اور وہ شخص بدبخت ہے جو اسے زحمت سمجھتا ہے۔ اس سے فائدہ اُٹھانے والوں کیلئے خوشخبری اور ہے، اس سے روگردانی کرنے والوں کو اللہ سے ڈرنا چاہئے۔ نبی ﷺ پر یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ جو لوگ اپنے دلوں پر غلاف چڑھالیں، اپنی بات ان کے دل میں اُتار دیں۔ جو لوگ حق سننا چاہتے ہیں۔ یقیناً ان کیلئے نبیؐ کی بات کارگر ہو کر رہتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ خواہ تم اپنے اوپر غلاف چڑھالو، اپنے کان آنکھ بند کرلو مگر یاد رکھنا تمہارا خدا صرف ایک ہی ہے، تمہاری ضد سے حقیقت بدل نہیں سکتی۔ بھلائی کا بدل اچھائی سے، بُرائی کا انجام تباہی ہے۔ تمہیں اس بات کا احساس بھی ہے کہ تم شرک و کفر کس کے ساتھ کر رہے ہو؟ خبردار تمہاری یہ غداری اسی ہستی کے ساتھ ہے جو زمین و آسمان کا خالق ہے۔ منکرین حق کو نوٹس دی گئی کہ اگر تم حق کا انکار کرتے رہے تو عذاب کے اچانک ٹوٹ پڑنے کے مستحق بن رہے ہو، جس طرح عاد و ثمود پر آکر رہا، دنیا کا عذاب ہی آخری عذاب نہ ہوگا آخرت کا عذاب جہنم کی آگ بھی ہے۔ سورت کے اختتام پر یہ بتلایا گیا کہ اسلام کے خلاف جو بڑے بڑے چٹان سامنے موجود ہیں، اسے پاش پاش کرنیکا ہتھیار صرف یہی ہے کہ اخلاق حسنہ سے کام لیا جائے، مضمون کے آغاز میں مکہ کے حالات کا کچھ ہلکا ذکر کیا گیا ہے، اسے ذہن میں رکھ کر آیت 34، 35، 36 ان تین آیات کا مطالعہ سارے عالم کے داعیان اسلام و تحریکات اسلامی کے لیے بہت ضروری ہے جن میں نبی کریم ﷺ کو، اور آپکے واسطے سے آپ کے پیروں (اہل ایمان کو) یہ ہدایت دی گئی ہے؛ پہلی بات یہ کہ

﴿ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۚ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ﴾

یعنی مشکل سے مشکل حالات کا موقع ہے دعوت دین کے تمام راستے بظاہر بند دکھائی دے رہے ہیں، ہر طرف مخالفت کا بازار گرم ہے، چو طرف ایک ہلڑ مچی ہے، دعوت اسلام کے لیے اِدھر اللہ کے نبی رحمتؐ اپنی زبان حق کھولیں، اُدھر سے اتنا شور شرابہ کہ کوئی آپ کی بات سن نہ سکے، ایسے نازک حالات میں آنحصور ﷺ کو یہ نسخہ بتایا گیا کہ اے نبیؐ، نیکی اور بدی یکساں نہیں ہیں۔ تم بدی کو اس نیکی سے دفع کرو جو اس سے بہترین ہو۔ تم دیکھو گے کہ تمہارے ساتھ جس کی عداوت پڑی ہوئی تھی وہ جگری دوست بن گیا ہے۔ یعنی اس طرح کے عمل کا جو نتیجہ نکلے گا وہ یہ کہ بدترین دشمن بھی آخر کار جگری دوست بن جائے گا۔۔۔۔ اس لیے کہ یہی انسانی فطرت ہے۔ گالی کے جواب میں آپ خاموش رہ جائیں تو بیشک یہ ایک نیکی ہو گی، مگر گالی دینے والے کی زبان بند نہ کرسکے گی۔ لیکن اگر آپ گالی کے جواب میں دعاے خیر کریں تو بڑے سے بڑا بے حیا مخالف بھی شرمندہ ہو کر رہ جائے گا اور پھر مشکل ہی سے کبھی اس کی زبان آپ کے خلاف بد کلامی کے لیے کھل سکے گی۔

دوسری بات

﴿وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِيمٍ﴾

یہ صفت نصیب نہیں ہوتی مگر ان لوگوں کو جو صبر کرتے ہیں، اور یہ مقام حاصل نہیں ہوتا مگر ان لوگوں کو جو بڑے نصیبے والے ہیں۔

اسکی عام فہم تشریح فرماتے ہوئے مولانا سید ابوالاعلی مودودیؒ لکھتے ہیں:

”یعنی یہ نسخہ ہے تو بڑا کارگر، مگر اسے استعمال کرنا کوئی ہنسی کھیل نہیں ہے۔ اس کے لیے بڑا دل گردہ چاہیے۔ اس کے لیے بڑا عزم، بڑا حوصلہ، بڑی قوت برداشت، اور اپنے نفس پر بہت بڑا قابو درکار ہے۔“

”یہ قانون فطرت ہے۔ بڑے ہی بلند مرتبہ کا انسان ان صفات سے متصف ہوا کرتا ہے، اور جو شخص یہ صفات رکھتا ہو اسے دنیا کی کوئی طاقت بھی کامیابی کی منزل تک پہنچنے سے نہیں روک سکتی۔“

یہ کسی طرح ممکن ہی نہیں ہے کہ گھٹیا درجے کے لوگ اپنی کمینہ چالوں، ذلیل ہتھکنڈوں اور رکیک حرکتوں سے اس کو شکست دے دیں۔“ (تفہیم

القرآن)

تیسری بات یہ آئی کہ

﴿وَإِمَّا يَنزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ ۖ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴾

”اگر کبھی شیطان اشتعال دلائے تو خدا سے پناہ مانگ لو، وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔“

یعنی، اگر دین اسلام کے احکام پر چلتے ہوئے؛ اسکی تبلیغ کے موقع پر یا شریعت کے کام سے، شیطان روکنا پھیرنا چاہے یا احسن طریقہ پر برائی کو دفع کرنے کی سعی میں رکاوٹ کھڑا کرے، دل میں وسوسہ پیدا کرے تو ایسے موقع پر، ”فاستعذ باللہ“ یعنی اللہ کی پناہ طلب کرلی جاے، کیونکہ وہی سب کچھ جاننے اور سب کی سننے والا ہے اور وہی ہے جو پناہ کے طلب گاروں کو اپنی پناہ میں لے لیتا اور انکے دلوں میں صبر وسکون اور اطمینان کی ٹھنڈک پیدا فرادیتا ہے۔۔۔

اللہ تبارک وتعالی نے (محمد عربی ﷺ کو بھیج کر، اہل عرب کی مادری ”عربی“ زبان میں نازل کردہ قرآن کے ذریعہ) ہر طرح سے ان ناواقف راہ لوگوں کو صراط مستقیم پر لانے کا سامان کردیا اب دنیا کا ہر فرد بشر خوب جان لے اور فیصلہ کرلے کہ دنیا وآخرت کی سرخروی چاہتا ہے! یا دنیا کی ذلت اور آخرت کی رسوائی کا سوداگر بننا چاہے گا۔

مگر یادرکھنا اللہ تعالی اپنے نبی ﷺ کی دعوت حق کی رات دن کی جدوجہد کو دیکھ رہا ہے اور تمہارے انکار حق وبدروش چالبازیوں پر نظر رکھے ہوے ہے۔

﴿ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴾

”کیا یہ کافی نہیں کہ آپ کا رب ہر چیز پر گواہ ہے۔“

اس آیت کی دلنشین تشریح فرماتے ہوے محمد کرم شاہؒ صاحب لکھتے ہیں کہ

” اے محبوب! ان گم کردہ راہ انسانوں کو راہ ہدایت پر چلانے کے لیے جس خلوص جان سوزی اور استقامت سے آپ شب وروز کوشش فرمارہے ہیں اور جس ہٹ دھرمی، عناد، کج فہمی اور ایذا رسانی کا طریقہ انہوں نے اختیار کررکھا ہے یہ دونوں باتیں ہم جانتے ہیں ہم انکا مشاہدہ کررہے ہیں۔ ہم آپکے دشمنوں کو ناکام کریں گے۔! “ (ضیاء القرآن)

(مستفاد کتب واقتباس: احسن البیان از مولانا صلاح الدین یوسف، تدبر قرآن امین احسن اصلاحی، عروۃ الوثقی، علامہ عبدالکریم اسری اور سراج البیان علامہ محمد حنیف ندوی)

☆☆☆

پیغامِ بیداری

وہ جس کے دم قدم سے دین حق کا بول بالا ہے
خدا اس کا نگہباں ہے وہی اللہ والا ہے
جہاں قرآن نے توحید کے سانچے میں ڈھالا ہے
وہیں سنت نے ہر ایک موڑ پر ہم کو سنبھالا ہے
نہالِ آرزو خونِ جگر سے ہم نے پالا ہے
اور اپنے عزم سے ظلمت کا سینہ چیر ڈالا ہے
رسول اللہؐ آتے جب بھی جھرمٹ میں صحابہؓ کے
تو یوں محسوس ہوتا ، چاند کے اطراف ہالا ہے
جہاں سے چھٹتا جاتا ہے اندھیرا کفر و باطل کا
کہ پھر جلوہ فگن اسلام کا ہر سو اجالا ہے
بہ صد شوق و عزیمت منزلِ مقصود کی جانب
ہمارا قافلہ پھر جادہ پیما ہونے والا ہے
جو مسجد میں نمازی ہے تو ہے میداں میں وہ غازی
مسلماں کا تو ہر اک کام دنیا سے نرالا ہے
مسلماں لشکرِ طاغوت سے گھبرا نہیں سکتا
کہ وہ مردِ مجاہد ہے، دلاور ہے ، جیالا ہے
نہیں اسلام میں اس امتیاز و فرق کی لعنت
کہ یہ عربی ہے وہ عجمی ہے، یہ گوراوہ کالا ہے
ٹھہر سکتا نہیں حق کے مقابل ایک لمحہ بھی
جسے باطل کہا جاتا ہے وہ مکڑی کا جالا ہے
ہوا نخلِ تمنا بارآور ، تب کہیں جاکر
رہِ حق میں جو پھوٹا پاؤں کا اک ایک چھالا ہے
وہ دھوکہ دے نہیں سکتا وہ دھوکہ کھا نہیں سکتا
جہاں ہوشیار ہے مؤمن وہیں وہ بھولا بھالا ہے
اُسی کا قطرہ قطرہ بن گیا ہے بحر بے پایاں
جو ہم نے بادۂ توحید کا ساغر اچھالا ہے
کبھی چلتے رہے پیہم، کبھی دل تھام کر بیٹھے
رہِ حق میں ہراک ارمان یوں ہم نے نکالا ہے
بنام ملت بیضاء ہے یہ پیغام بیداری
کوئی سوچے تو یہ حماد کا دلدوز نالا ہے

ابولبیان حماد رحمہ اللہ

☆☆☆

بدشگونی شرکِ اصغر ہے!

بدشگونی یعنی کسی چیز کو منحوس خیال کرنا شریعت میں سختی سے ممنوع ہے۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ”بدشگونی لینا شرک ہے، بدشگونی لینا شرک ہے، بدشگونی لینا شرک ہے۔“

جامع ترمذی کے شارح مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری فرماتے ہیں:

آپ کا فرمان 'بدشگونی شرک ہے' یعنی لوگوں کا یہ عقیدہ تھا کہ بدشگونی (کسی چیز کو منحوس سمجھنا) نفع لاتی ہے یا نقصان دور کرتی ہے تو جب اُنھوں نے اسی اعتقاد کے مطابق عمل کیا تو گویا اُنھوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرکِ خفی کا ارتکاب کیا اور کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالی کے علاوہ کوئی اور چیز بھی نفع یا نقصان کی مالک ہے تو اسنے شرکِ اکبر کا ارتکاب کیا۔“



حدیث کی لغوی تعریف

حدیث کا لفظ لغت میں قدیم کی ضد ہے، جس کا معنی جدید ہے۔

حدیث کی اصطلاحی تعریف :

نبی کریم ﷺ کے قول، فعل، تقریر اور سیرت و شمائل کو حدیث کہتے ہیں۔

سنت اور حدیث میں فرق:

سنت اسوہ و طریقے کو کہتے ہیں، ہمارے ہاں یہ شوشہ چھوڑ دیا گیا ہے کہ سنت کا معنی ہے کہ ایسا عمل جو نبوی دور سے چلتا ہوا آ رہا ہے، کہا جاتا ہے کہ سنت ہے تو قابل عمل ہے ورنہ نہیں ۔ یاد رہے کہ یہ اصطلاح حادث ہے، منکرین حدیث اس اصطلاح کے ذریعے بین بین راستہ تلاش کرتے ہیں، سنت محدثین ،فقہاء اور اصولیین کے ہاں حدیث کے مترادف ہے، عملاً اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔ سنت نبویہ سے مراد احادیث نبویہ ہیں، یہ شوشہ برّصغیر میں سر سید احمد خان نے چھوڑا ہے اور بعد میں عبد اللہ چکڑالوی اور امین احسن اصلاحی جیسے لوگوں نے اس راستے کا انتخاب کیا، ان منکرین حدیث نے اس جیسے شوشوں کا سہارا لے کر معجزات انبیاء، جنت و جہنم، معراج جسمانی اور کئی چیزوں کا انکار کیا ہے۔

حدیث کی تشریعی حیثیت :

یاد رکھیں کہ شریعت کے دو بنیادی مصادر ہیں، ایک قرآن اور دوسرا حدیث، قرآن و حدیث دونوں پر عمل کرنے میں کوئی فرق نہیں ہے، جس طرح قرآن پر عمل کیا جائے گا۔ اسی طرح حدیث پر بھی عمل کیا جائے گا۔

نبی کریم ﷺ کی ہر بات اللہ تعالیٰ کی وحی :

﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ 0 إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾ (سورۃ النجم : 3-4)

"اور نہ وہ اپنی خواہش سے بولتا ہے، تو صرف وحی ہے جو نازل کی جاتی ہے۔"

نوٹ: اگرچہ عام مفسرین نے اس آیت کو قرآن کریم سے منسلک کیا ہے، لیکن لفظ نطق کے عموم کی وجہ سے یہ آیت احادیث کو بھی محیط ہے، بلکہ اگر غور کیا جائے تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کے متعلق لفظ انزال، تنزیل، تلاوت، قراءت اور تعلیم بیان فرمایا ہے جبکہ نطق کا لفظ کسی بھی جگہ قرآن کے لیے استعمال نہیں ہوا، لہذا "وَمَا يَنطِقُ " کے الفاظ حقیقتاً احادیث کے لیے ہیں۔ (انکار حدیث سے انکار قرآن تک: 107)

حدیث قرآن کی تشریح :

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَمَا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ" [سورۃ النحل : 64]

"ہم نے آپ پر کتاب کو صرف اس لیے نازل کیا ہے کہ آپ لوگوں کے کتاب کی تبین و توضیح کر دیں۔"

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ﴾ (سورۃ النساء:105)

"بے شک ہم نے تیری طرف یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی، تاکہ تو لوگوں کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کرے جو اللہ نے تجھے دکھایا ہے۔"

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ 0 فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ 0 ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ﴾ (سورۃ القیامۃ:17-19)

"بلاشبہ اس کو جمع کرنا اور آپ کا اس کو پڑھنا ہمارے ذمے ہے، تو جب ہم اسے پڑھیں تو تو اس کے پڑھنے کی پیروی کر، پھر بلاشبہ اسے واضح کرنا ہمارے ذمے ہے۔"

حدیث قرآن کی تائید و تاکید :

سیدنا مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ

"أَلَا إِنِّي أُوتِيتُ الْكِتَابَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ، أَلَا يُوشِكُ رَجُلٌ شَبْعَانُ عَلَى أَرِيكَتِهِ، يَقُولُ: عَلَيْكُمْ بِهَذَا الْقُرْآنِ فَمَا وَجَدْتُمْ فِيهِ مِنْ حَلَالٍ فَأَحِلُّوهُ وَمَا وَجَدْتُمْ فِيهِ مِنْ حَرَامٍ فَحَرِّمُوهُ، أَلَا لَا يَحِلُّ لَكُمْ لَحْمُ الْحِمَارِ الْأَهْلِيِّ وَلَا كُلُّ ذِي نَابٍ مِنَ السَّبُعِ وَلَا لُقَطَةُ مُعَاهِدٍ، إِلَّا أَنْ يَسْتَغْنِيَ عَنْهَا صَاحِبُهَا، وَمَنْ نَزَلَ بِقَوْمٍ فَعَلَيْهِمْ أَنْ يَقْرُوهُ فَإِنْ لَمْ يَقْرُوهُ فَلَهُ أَنْ يُعْقِبَهُمْ بِمِثْلِ قِرَاهُ" (سنن ابوداؤد : 4604)

"سنو، مجھے کتاب (قرآن) دی گئی ہے اور اس کے ساتھ اسی کے مثل ایک اور چیز بھی (یعنی سنت)، قریب ہے کہ ایک آسودہ آدمی اپنے تخت پر ٹیک لگائے ہوئے کہے: اس قرآن کو لازم پکڑو، جو کچھ تم اس میں حلال پاؤ اسی کو حلال سمجھو، اور جو اس میں حرام پاؤ، اسی کو حرام سمجھو، سنو! تمہارے لیے پالتو گدھے کا گوشت حلال نہیں، اور نہ کسی نوکیلے دانت

والے درندے کا، اور نہ تمہارے لیے کسی ذمی کی پڑی ہوئی چیز حلال ہے سوائے اس کے کہ اس کا مالک اس سے دستبردار ہو جائے، اور اگر کوئی کسی قوم میں قیام کرے تو ان پر اس کی ضیافت لازم ہے، اور اگر وہ اس کی ضیافت نہ کریں تو اسے حق ہے کہ وہ ان سے مہمانی کے بقدر لے لے۔"

شریعت کے کئی احکامات صرف احادیث سے ثابت ہیں :

مثال نمبر:1

قرآن مجید میں بیان ہوا ہے کہ مردار حرام ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنزِيرِ﴾ (سورۃ المائدۃ : 3)

"تم پر مردار، خون اور خنزیر کا گوشت حرام کیا گیا ہے۔"

لیکن اس سے دو چیزیں مستثنیٰ ہیں، جن کی وضاحت حدیث میں آئی ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ

"أُحِلَّتْ لَنَا مَيْتَتَانِ، الْحُوتُ وَالْجَرَادُ" (سنن ابن ماجہ: 3218)

"ہمارے لیے دو مردار: مچھلی اور ٹڈی حلال ہیں۔"

مثال نمبر:2

نبی کریم ﷺ نے حلت و حرمت کا ایک اصول بیان کیا ہے کہ کچلیوں والے جانور اور پنجوں والے پرندے حرام ہیں۔ یہ بات قرآن مجید میں کہیں بھی موجود نہیں ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ "نَهَى رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنْ أَكْلِ كُلِّ ذِي نَابٍ مِنَ السَّبُعِ، وَعَنْ كُلِّ ذِي مِخْلَبٍ مِنَ الطَّيْرِ" (صحیح مسلم:1934، سنن ابو داود:3803)

"رسول اللہ ﷺ نے ہر دانت والے درندے، اور ہر پنجہ والے پرندے کے کھانے سے منع فرمایا ہے۔"

قرآن نے نبی کریم ﷺ کو دس صفات کے ساتھ کلئیر کیا ہے۔

﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾ (سورۃ الجمعہ: 2)

"وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں ایک رسول انھی میں سے بھیجا، جو ان کے سامنے اس کی آیات پڑھتا ہے اور انھیں پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے، حالانکہ بلاشبہ وہ اس سے پہلے یقینا کھلی گمراہی میں تھے۔"

1۔ تلاوت قرآن کرنا:

مندرجہ بالا آیت میں " يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ " کے ذریعے نبی کریم ﷺ کو سب سب پہلی یہ ذمے داری دی گئی ہے کہ آپ لوگوں پر قرآن کی آیات کی تلاوت کریں، یہ ذمے داری نبی کریم ﷺ نے احسن طریقے سے مکمل کیا تھا، لیکن نبی کریم ﷺ کا صحابہ کرام کو یہ بتانا کہ یہ قرآن کی آیت ہے، یہ بھی حدیث ہے۔ منکرین حدیث سے یہ سوال ہے کہ کس نے بتایا ہے کہ یہ قرآن کی آیت ہے، یہ فلاں سورۃ ہے۔ اگر جواب یہ آئے کہ نبی ﷺ نے بتایا ہے تو نبی کریم ﷺ کا بتانا بھی حدیث ہے۔

2۔ تزکیہ کرنا:

مندرجہ بالا آیت میں " وَيُزَكِّيهِمْ " کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو امت کے تزکیہ کی ذمے داری دی ہے کہ امت کو گناہوں سے پاک و صاف کرنے کی کوشش کریں، اب نبی کریم ﷺ نے امت کی تزکیہ کے لیے جو کچھ فرمایا ہے، وہ حدیث ہے، تزکیہ نفس کے لیے ہمیں نبی کریم ﷺ کی حدیث کی طرف جانا پڑے گا، تو قرآن کی اس آیت کے مطابق تزکیہ نفس کے لیے احادیث کی طرف جانا ضروری ہے، منکرین حدیث سے یہ سوال ہے کہ "وَيُزَكِّيهِمْ" "نبی کریم ﷺ جو تزکیہ کریں گے وہ حدیث ہوگی یا قرآن؟"

3۔ کتاب کی تعلیم دینا :

مندرجہ بالا آیت میں " وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ " کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ کو تیسری یہ ذمے داری دی ہے کہ آپ لوگوں کو کتاب کی تعلیم دیں، کتاب کی تعلیم دیتے ہوئے قرآن کی مشکل آیات کی وضاحت کرنا، تفسیر بتانا یہ سب حدیث ہے، گویا امت شروع سے لے کر آج تک قرآن کی تفسیر و توضیح کے لیے حدیث کی محتاج ہے۔

4۔ حکمت کی تعلیم دینا :

مندرجہ بالا آیت میں "وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ" کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو چوتھی یہ ذمے داری دی ہے کہ آپ لوگوں کو حکمت کی تعلیم دیں، مفسرین کے ہاں یہاں حکمت سے مراد حدیث ہے، کیونکہ کتاب کا عطف حکمت پر ہے، عطف مغایرت کا تقاضہ کرتا ہے، یعنی کتاب الگ چیز ہے اور حکمت الگ چیز ہے، یہاں کتاب اور حکمت دونوں سے قرآن مجید مراد لینا درست نہیں ہے، بلکہ حکمت سے مراد حدیث ہے، یہی قول امام شافعی کا ہے۔

5۔ اسوۃ:

قرآن مجید نے نبی کریم ﷺ کی زندگی کو ایک آئیڈیل اور نمونہ کہا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللهَ كَثِيرًا﴾ (سورۃ الأحزاب : 21)

"بلاشبہ یقینا تمہارے لیے اللہ کے رسول میں ہمیشہ

سے اچھا نمونہ ہے،اس کے لیے جو اللہ اور یوم آخر کی امید رکھتا ہو اور اللہ کو بہت زیادہ یاد کرتا ہو۔"

اب سوال یہ ہے کہ کیا قرآن مجید میں نبی کریم ﷺ کی پوری سیرت موجود ہے ، بلکہ نبی کریم ﷺ کی سیرت کے لیے حدیث کی طرف جانا پڑے گا،ورنہ اس آیت پر عمل نہیں ہو گا،گویا حدیث کے بغیر منکرین حدیث قرآن پر بھی عمل نہیں کر سکتے ہیں۔

6۔ حکم:

قرآن نے نبی کریم ﷺ کو حکم یعنی فیصلہ کرنے والا کہا ہے،یعنی اپنی زندگی کے تمام فیصلے نبی کریم ﷺ سے کروانے ہیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (سورۃ النساء : 65)

"پس نہیں! تیرے رب کی قسم ہے! وہ مومن نہیں ہوں گے، یہاں تک کہ تجھے اس میں فیصلہ کرنے والا مان لیں جو ان کے درمیان جھگڑا پڑ جائے، پھر اپنے دلوں میں اس سے کوئی تنگی محسوس نہ کریں جو تو فیصلہ کرے اور تسلیم کر لیں،پوری طرح تسلیم کرنا۔"

زندگی کے اختلاف اور معاملات کو حل کرنے کے لیے نبی کریم ﷺ کی طرف جانا پڑے گا، اب نبی کریم ﷺ نے جو فرمایا ہے، وہ قرآن میں تو موجود نہیں ہے،یعنی حدیث کی طرف جانا پڑے گا۔

7۔ مطاع:

قرآن مجید نے نبی کریم ﷺ کو "مطاع" کی صفت سے متصف کیا ہے،یعنی ایسا شخص جس کی اطاعت کی جائے، بلکہ اللہ نے نبی کریم ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت کہا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَّن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ ۖ وَمَن تَوَلَّىٰ فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا﴾ (سورۃ النساء : 80)

"جو رسول کی فرماں برداری کرے تو بے شک اس نے اللہ کی فرمانبرداری کی اور جس نے منہ موڑا تو ہم نے تجھے ان پر کوئی نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔"

سوال یہ ہے کہ کیا نبی کریم ﷺ کی اطاعت قرآن سے ہو سکتی ہے، کیا نبی کریم ﷺ کے اقوال،افعال اور تقریرات قرآن میں موجود ہیں ۔ اگر جواب آئے کہ موجود نہیں ہیں تو حدیث کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔

8۔ حلت و حرمت کا اختیار :

نبی کریم ﷺ شارع اور ناطق وحی ہیں، آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے کسی بھی چیز کے لیے حلت و حرمت کا اختیار رکھتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ﴾ (سورۃ الاعراف : 157)

"اور ان کے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کرتا اور ان پر ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے۔"

آپ ﷺ نے قرآن سے ہٹ کر احادیث میں کئی چیزوں کی حلت و حرمت بیان کی ہے، کیا ان حلت کی چیزوں کو منکرین حدیث نہیں کھاتے ہیں۔

9۔ صاحب اخلاق:

قرآن مجید نے نبی کریم ﷺ کو صاحب اخلاق کہا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ﴾ (سورۃ القلم : 4)

"اور بلاشبہ یقیناً تو ایک بڑے خلق پر ہے۔"

نبی کریم ﷺ کے اخلاق و کردار کے لیے حدیث کی طرف رجوع کرنا پڑے گا ، کیونکہ قرآن نے من و عن نبی کریم ﷺ کے اخلاق کو بیان نہیں کیا ہے۔

10۔ متبع:

قرآن مجید نے نبی کریم ﷺ کو متبع کہا ہے،یعنی ایسی شخصیت جس کی اتباع کی جائے، بلکہ نبی کریم ﷺ کی اتباع کو اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کے حصول کا ذریعہ بتایا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (سورۃ آل عمران : 31)

"کہہ دے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہیں تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بے حد بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔"

سوال یہ ہے کہ قرآن سے نبی کریم ﷺ کی اتباع ممکن ہے ؟ یا نبی کریم ﷺ کی اتباع کی طرف لوٹنا پڑے گا۔

نوٹ : اتباع اور اطاعت دو الفاظ ہیں اور یہ دونوں الفاظ قرآن کریم میں مختلف مواقع پر استعمال ہوئے ہیں، جب یہ الفاظ الگ الگ استعمال ہوں، تو اطاعت اتباع کو اور اتباع اطاعت کو محیط ہوتا ہے اور جب یہ دونوں الفاظ اکٹھے استعمال ہوں، تو اطاعت کا اطلاق اقوال کی پیروی پر اور اتباع کا اطلاق اعمال میں کسی کی پیروی پر ہوتا ہے۔

منکرین حدیث کے اعتراضات:

یہاں ہم صرف چند اعتراضات بطور نمونہ ذکر کرتے ہیں:

اعتراض:1

اتنی حدیثوں کے صحابہ کرام حافظ کیسے تھے ؟

پہلی بات یہ ہے کہ ہماری میموری کو صحابہ کرام کی میموری پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے ، صحابہ کرام کے حافظے تیز ہوا کرتے تھے ، آج کل ہمارے حافظے اس لیے بھی ماند پڑ گئے ہیں کہ ہم فسق و فجور میں سب سے آگے ہیں، دوسری بات یہ ہے کہ اس دور میں لکھنے کا

رواج کم تھا، عرب کا بچہ بھی علم الانساب کا حافظ تھا، ان کے اپنے نسب نامے سیدنا اسماعیل علیہ السلام اور سیدنا آدم علیہ السلام تک یاد ہوا کرتے تھے، اس کے علاوہ تاریخ، قصیدے اور حکمتیں سینہ در سینہ محفوظ کرتے تھے، اس لیے وہ دور حافظے کا تھا۔ صحابہ کرام کثرت کے ساتھ ساتھ احادیث حفظ کیا کرتے تھے۔

مثال نمبر:1

سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

"أَيُّكُمْ يَحْفَظُ قَوْلَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي الْفِتْنَةِ ؟ قُلْتُ: أَنَا كَمَا قَالَهُ" (صحیح بخاری: 525)

"فتنہ سے متعلق رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث تم میں سے کسی کو یاد ہے؟ سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے بولا کہ میں نے اسے اسی طرح یاد رکھا ہے، جیسے نبی کریم ﷺ نے اس حدیث کو بیان فرمایا تھا۔"

مثال نمبر:2

ایک موقعے پر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایک پیش آمدہ معاملے میں احادیث رسول مل کے متعلق صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مجمع سے سوال کیا کہ اس معاملے کے حل کے لیے کسی کو حدیث نبوی معلوم ہے؟ متعدد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آگے بڑھے، جس پر سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خوش ہو کر فرمایا:

"الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي جَعَلَ فِينَا مَنْ يَحْفَظُ عَلَى نَبِيِّنَا ﷺ" (سنن دارمی: 163)

"اس مولائے کریم کی تعریف ہے، جس نے ہم میں ان لوگوں کو رکھا جو احادیث نبویہ کے حافظ ہیں۔"

اس سے متعدد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا حافظ الحدیث ہونا ثابت ہوا ہے۔

کثرت احادیث عقل کے لحاظ سے کوئی تعجب کی بات نہیں، علامہ فضل احمد غزنوی نے لکھا ہے کہ ماہرین لسانیات تسلیم کرتے ہیں کہ ایک شخص روزانہ اوسطا 36 ہزار کلمات بولتا ہے۔، پرویزی اور دیگر منکرین حدیث سائنس دانوں کی بات کو قرآن و حدیث سے بھی زیادہ قوی سمجھتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی نبوت کی 23 سالہ زندگی کے شب و روز دعوت و تبلیغ میں صرف کیے تو آپ ﷺ کے 36 ہزار روزانہ کلمات کے حساب سے 23 سال کے کلمات کا اندازہ لگائیں تو یہ 29 کروڑ 80 لاکھ اور 80 ہزار کلمات بنتے ہیں۔

صحابہ کرام نے آپ ﷺ کے اقوال و احوال کو حفظ کیا اور کتابت و روایت کے ذریعے سے انھیں محفوظ رکھا تو اس میں کون سی حیرت کی بات ہے۔ منکرین حدیث نے اپنی تحریک کے تھوڑے سے عرصے میں کتنی کتابیں اور رسالے شائع کیے ہیں اور پرویز صاحب کے مقلدین ان کے اقوال و نظریات کو کسی طرح یاد کرتے اور انھیں نقل کرتے ہیں۔ کیا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے الصادق المصدوق نبی سلام کے ارشادات مبارکہ کی کوئی حفاظت نہیں کی؟ لہٰذا کثرت احادیث سے انکار کرنا بے دینی کے علاوہ بے عقلی کی بھی انتہا ہے۔ (انکار حدیث سے انکار قرآن تک: 323)

اعتراض:2

احادیث بعد میں لکھی گئی ہیں، اس لیے احادیث پر اعتبار و اعتماد رکھنا صحیح نہیں ہے، ہمارے لیے صرف قرآن کافی ہے۔ حالانکہ کئی احادیث سے کتابت حدیث عہد نبوی میں ثابت ہے۔

1۔ نبی کریم ﷺ نے ابو شاہ جو یمن سے آیا تھا، ان کے لیے صحابہ کرام کو فرمایا تھا کہ

"اكْتُبُوا لِأَبِي شَاهٍ" (صحیح بخاری: 2434)

"ابو شاہ کے لیے یہ خطبہ لکھ دو۔"

2۔ سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

"كُنْتُ أَكْتُبُ كُلَّ شَيْءٍ أَسْمَعُهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أُرِيدُ حِفْظَهُ، فَنَهَتْنِي قُرَيْشٌ، وَقَالُوا: أَتَكْتُبُ كُلَّ شَيْءٍ تَسْمَعُهُ وَرَسُولُ اللَّهِ ﷺ بَشَرٌ يَتَكَلَّمُ فِي الْغَضَبِ وَالرِّضَا ؟، فَأَمْسَكْتُ عَنِ الْكِتَابِ، فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ، فَأَوْمَأَ بِأُصْبُعِهِ إِلَى فِيهِ، فَقَالَ: اكْتُبْ، فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، مَا يَخْرُجُ مِنْهُ إِلَّا حَقٌّ" (سنن ابو داود: 3646)

"میں ہر اس حدیث کو جو رسول اللہ ﷺ سے سنتا یاد رکھنے کے لیے لکھ لیتا، تو قریش کے لوگوں نے مجھے لکھنے سے منع کر دیا، اور کہا: کیا تم رسول اللہ ﷺ سے ہر سنی ہوئی بات کو لکھ لیتے ہو؟ حالانکہ رسول اللہ ﷺ بشر ہیں، غصے اور خوشی دونوں حالتوں میں باتیں کرتے ہیں، تو میں نے لکھنا چھوڑ دیا، پھر رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا، آپ ﷺ نے اپنی انگلی سے اپنے منہ کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: لکھا کرو، قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس سے حق بات کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔"

اعتراض:3

احادیث عقل کے خلاف ہیں؟

یاد رہے کہ عقل کی دو قسمیں ہیں:

1۔ عقل سلیم:

عقل سلیم وہ ہے جو قرآن و حدیث کے سامنے اپنے گھٹنے ٹیک دیتی ہے، جو اللہ اور اس کے رسول نے فرمایا ہے، وہ حق ہے، خواہ وہ عقل میں آئے یا نہ آئے۔

2۔ عقل ضعیف:

عقل ضعیف جو شریعت کے سامنے کھڑی ہو جاتی ہے، ایک حقیر مخلوق اپنی ناقص عقل کی وجہ سے خالق کی شریعت سے ٹکر کھاتی ہے۔

ہم یہاں بطور نمونہ چند قرآن کی مثالیں ذکر کرتے ہیں، جو عقل میں نہیں آتی ہیں، تو کیا سوال ہے کہ قرآن کا بھی انکار کیا جائے گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ﴾ (سورۃ الأنبیاء: 69)

"ہم نے کہا اے آگ! تو ابراہیم پر سراسر ٹھنڈک اور سلامتی بن جا۔"

آگ کا کام جلانا ہے، قرآن کی اس آیت کے مطابق آگ ٹھنڈی ہوگئی تھی، سوال یہ ہے کہ کیا آگ کی ٹھنڈی ہونا یہ چیز عقل میں آتی ہے، منکرین حدیث کی طرف سے جو جواب قرآن کے لیے دیا جائے، وہی جواب حدیث کا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا 0 فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتَاهُ آتِنَا غَدَاءَنَا لَقَدْ لَقِينَا مِن سَفَرِنَا هَٰذَا نَصَبًا ﴾ (سورۃ الکھف: 61-62)

"تو جب وہ دونوں ان کے آپس میں ملنے کے مقام پر پہنچے تو وہ دونوں اپنی مچھلی بھول گئے، تو اس نے اپنا راستہ دریا میں سرنگ کی صورت بنالیا۔ پھر جب وہ آگے گزر گئے تو اس نے اپنے جوان سے کہا ہمارا دن کا کھانا لا، بے شک ہم نے اپنے اس سفر سے تو بڑی تھکاوٹ پائی ہے۔"

یاد رہے کہ مچھلی پانی سے باہر زندہ نہیں رہ سکتی، معلوم ہوا وہ مچھلی مردہ تھی، پھر اگر اسے نمک لگا کر خشک نہ کیا جائے تو وہ شدید بدبودار ہو جاتی ہے اور کیڑوں سے بھر جاتی ہے۔ معلوم ہوا اسے نمک لگا کر خشک کیا گیا تھا۔ سوال یہ ہے کہ کیا مردہ مچھلی تیرتی ہے، قرآن مجید کے مطابق مردہ مچھلی نے سمندر میں سرنگ کی طرح راستہ بنا کر چلی گئی ہے، کیا یہ چیز عقل میں آتی ہے۔

اور کئی مثالیں قرآن سے ذکر کی جاسکتی ہیں، یاد رہے کہ یہ شریعت ہے، خالق کی شریعت ہے، قرآن و حدیث دونوں وحی الٰہی ہیں، وحی الٰہی کے سامنے اپنی ناقص عقل کو ٹکرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

کیا احادیث آپس میں متعارض ہیں؟

منکرین حدیث احادیث میں تعارض و تناقض کا الزام لگاتے ہیں، حالانکہ امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ احادیث میں سرے سے تضاد ہی نہیں، چنانچہ امام خطیب رحمہ اللہ نے اپنی سند سے ذکر کیا ہے:

"لَا أَعْرِفُ أَنَّهُ رُوِيَ عَنْ رَسُولِ الحَدِيثَانِ بِإِسْنَادَيْنِ صَحِيحَيْنِ مُتَضَادَّيْنِ ، فَمَنْ كَانَ عِنْدَهُ فَلْيَأْتِ حَتّى أُوَلِّفَ بَيْنَهُمَا" (الکفایہ: 432)

"میں نہیں جانتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ سے دو صحیح متضاد احادیث مروی ہوں، جس کے پاس دو ایسی احادیث ہیں تو وہ لے آئے، میں جمع و تطبیق دوں گا۔"

فہم قرآن کے لیے صحابہ کرام احادیث کی طرف محتاج تھے

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "لَمَّا نَزَلَتْ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ [سورة الأنعام آية : 82] قُلْنَا يَا رَسُولَ اللهِ أَيُّنَا لَا يَظْلِمُ نَفْسَهُ، قَالَ: لَيْسَ كَمَا تَقُولُونَ وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ ، بِشِرْكٍ أَوَ لَمْ تَسْمَعُوا إِلَى قَوْلِ لُقْمَانَ لِابْنِهِ يَا بُنَيَّ لا تُشْرِكْ بِاللهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ [سورة لقمان آية : 13] (صحیح بخاری: 3360)

"جب یہ آیت اتری، الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان میں کسی قسم کے ظلم کی ملاوٹ نہ کی۔ تو ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم میں ایسا کون ہو گا جس نے اپنی جان پر ظلم نہ کیا ہوگا؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ واقعہ وہ نہیں جو تم سمجھتے ہو۔ جس نے اپنے ایمان کے ساتھ ظلم کی ملاوٹ نہ کی۔ میں ظلم سے مراد شرک ہے کیا تم نے لقمان علیہ السلام کی اپنے بیٹے کو یہ نصیحت نہیں سنی کہ اے بیٹے! اللہ کے ساتھ شریک نہ کرنا، بیشک شرک بہت ہی بڑا ظلم ہے۔"

☆☆☆

حمد

کون ہے مشکل کشا ، حاجت روا تیرے سوا
کچھ نہیں، کوئی نہیں، میرے خدا تیرے سوا
بطن ماہی کے اندھیرے میں سنی ذوالنون کی
کون لایا ان کو پھر سوئے ضیا ، تیرے سوا
جو بھی تیری خلق میں، بیمار ہے ، مدقوق ہے
کون بخشے گا اسے آخر شفا ، تیرے سوا
آدم و حوا کا نقشہ احسن تقویم ہے
کون خالق اور مصوّر ہے بھلا تیرے سوا
ماہِ کنعاں کی جدائی ، قید پھر یہ مرتبہ
تخت شاہی پر دیا کس نے بٹھا تیرے سوا
آگ میں گلزار ، پانی میں دِیا رستہ بنا
حکم ذرّے ذرّے پر کس کا چلا ، تیرے سوا

عبدالرشید چغتائی رشید، برمنگھم

☆☆☆

ماہِ صفر کو منحوس خیال کرنا

ماہ صفر کو منحوس خیال کرنا، نحوست کی وجہ سے اس مہینے میں شادیاں کرنے سے رکے رہنا، اس میں مٹی کے برتن ضائع کر دینا، ماہ صفر کے آخری بدھ یعنی چہار شنبہ کو جلوس نکالنا اور بڑی بڑی محفلیں منعقد کر کے خاص قسم کے کھانے اور حلوے تقسیم کرنا اور چُوری کی رسم ادا کرنا وغیرہ احادیث کے مطابق مردود اور شرکیہ عمل ہے جس سے ہر صورت میں اجتناب ضروری ہے۔



آج ہم نے اپنے قدیم کارکن، دیرینہ رفیق محمد اسلم چوہدری رحمہ اللہ خادم مسجد کی قبر پر مٹی ڈالی، یہ بڑی عبرتناک گھڑی تھی کہ کل تک جس شخص کو تکلیف پہنچتے ہوئے برداشت نہیں کر سکتے، ان پر خود ان کے اکلوتے فرزند اور قریبی عزیز آنسو بہاتے ہوئے بھی مٹی ڈال رہے تھے، مرنے والے کی جدائی کا غم نہیں تڑپا رہا تھا۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں جاری تھیں مگر ہاتھوں ہیں بیلچے لئے مٹی ڈال رہے تھے، جوان کے کپڑوں کو زندگی میں گرد آلود ہوتا ہوا دیکھنا پسند نہیں کرتے وہ بھی کفن پر بڑھ بڑھ کر مٹی ڈالتے رہے، پھر کیا تھا دیکھتے ہی دیکھتے قبر مٹی سے بھر دی گئی اور جمعیت کے وفادار ساتھی اور مخلص کارکن کو منوں مٹی کے اندر دبا دیا گیا، اور لمحوں میں نوے برس کے ساتھی کی قبر تیار ہو گئی، ایسے ہی وقت اور گھڑی کے لیے سید المرسلین رحمۃ للعالمین ﷺ نے تلقین فرمائی کہ اس دن کے لیے پیشگی تیاری کرو۔

« يَا إِخْوَانِي لِمِثْلِ هَذَا فَأَعِدُّوا» (سنن ابن ماجہ:4195؛مسند احمد:294/4)

اور ترغیب دی کہ عذاب قبر سے پناہ مانگا کرو۔

«اسْتَعِيذُوا بِاللهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ» (سنن ابوداؤ:4753)

نماز کی آخری رکعت میں جن چار اہم چیزوں سے پناہ مانگی جاتی ہے،ان میں ایک عذاب قبر ہے۔

«اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ» (صحیح بخاری :832؛ صحیح مسلم:589)

یہی وقت ہے جب ابتدائی سوالات مرنے والے سے کئے جاتے ہیں، تفصیلی جانچ پڑتال روز قیامت ہوگی، اسی لیے تربیت یافتگان نبی ﷺ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اس منزل سے خوفزدہ رہتے، خلیفہ ثالث سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ تازہ قبر کو دیکھتے تو بہت زیادہ متاثر اور پریشان ہوتے اور کہتے کہ آخرت کی یہ پہلی سیڑھی ہے، یہاں کوئی عذاب سے محفوظ رہے تو اگلی منزلیں اور سیڑھیاں آسان ہو سکتی ہیں اور اگر کوئی یہاں پھسل جائے تو آگے کے مراحل سخت اور جاں گسل ہوں گے۔

«إِنّ الْقَبْرَ أَوَّلُ مَنْزِلٍ مِنْ مَنَازِلِ الْآخِرَةِ فَإِنْ نَجَا مِنْهُ فَمَا بَعْدَهُ أَيْسَرُ مِنْهُ» (جامع ترمذی: 2308؛سنن ابن ماجہ:4267)

تدفین کے بعد کی ایک اہم دعا آسانی حساب اور ثبات کے لئے کی جاتی ہے۔ یہ حکم ربانی اور آداب شریعت کا تقاضا ہے۔

مرنے والے سے چاہے تعلق کی نوعیت کچھ بھی ہو، وفات کے ساتھ ہی تجہیز و تکفین و تدفین میں ممکنہ حد تک عجلت ہوتی ہے۔

کل تک جو عزیز ترین تھا، روح پرواز کرتے ہی اس کی تدفین اولین ترجیح ہوتی ہے، اس کے لیے احباب ضروری کاروائی کی انجام دہی میں آگے بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں تاکہ جلد سے جلد سپرد خاک کر دیا جائے۔ یہ اور بات ہے کہ بسا اوقات کوششوں اور خواہشات کے باوجود تدفین میں تاخیر ہو جاتی ہے، اس کا بڑا سبب یہاں یورپ میں رائج قوانین کی پابجائی ہے۔ ہاسپٹل کی رپورٹ کے بغیر رجسٹری سے موت کا تصدیق نامہ نہیں ملتا اور اس تصدیق نامہ کے بغیر قبرستان میں تدفین کی اجازت نہیں ملتی، مختلف اداروں سے مربوط کاروائی مکمل ہونے پر ہی تدفین کا وقت متعین کیا جاسکتا ہے، اگرچہ کہ اس کاروائی میں احتیاط کا پہلو ہی ہے لیکن تکلیف دہ بات اس کی انجام دہی میں ہونے والی تاخیر ہے، کبھی اس میں کئی کئی دن لگ جاتے ہیں، اگر درمیان میں ویک اینڈ یا سرکاری چھٹیاں ہوں تو ہفتہ بھی لگ سکتا ہے، ظاہر ہے تدفین تک متعلقین کربناک صورتحال سے دو چار رہتے ہیں، یہاں شرعی احکام اپنی جگہ کہ غم کی ظاہری کیفیت تین دن تک رہے پھر بتدریج معمولات زندگی بحال ہوتے جائیں لیکن جب تک تدفین نہ ہو ان کی حالت قابل رحم ہوتی ہے۔ ان حالات میں تین روز کی تحدید اور بعض احکام پر عمل حسب استطاعت ہی ممکن ہے، تاخیر کا یہ پرابلم یہاں کے تمام باشندوں کا ہے مسلم اور غیر مسلم، لیکن بہت سے غیر مسلم مراسم تدفین کی انجام دہی بھی ایک تقریب کے طور پر بجالاتے ہیں، بلکہ تدفین کا باقاعدہ پروگرام مرتب ہوتا ہے۔ جنازہ میں شرکت کرنے والوں کے لیے ڈریس کوڈ ہوتا ہے۔ موٹر گاڑیوں کا انتخاب وغیرہ وغیرہ، ان کے لیے تو جتنا زیادہ وقت ملے درست ہے۔ بہر حال ہمارے بھائی اسلم صاحب کی کاروائی میں تاخیر نہیں ہوئی،جمعہ 27 جون 2025ءکی سہ پہر وفات ہوئی اور ہفتہ کی نماز عصر کے ساتھ صلاۃ الجنازہ ادا کر دی گئی، نماز جنازہ میں شرکت کے لیے مختلف شہروں میں پھیلے افراد خاندان کے علاوہ دوست احباب کا جم غفیر جمع ہو گیا تھا جو ان کے ساتھ والہانہ محبت اور عقیدت کا ثبوت تھا، بھائی اسلم صاحب ان لوگوں میں سے ہیں جو پچاس کی دہائی میں طلب روزگار کے لیے کشمیر کے علاقہ میرپور سے برطانیہ پہنچے، یہ ان دنوں کی بات ہے جب برطانیہ کو

لیبر افرادی قوت کی ضرورت تھی اور علاقہ میرپور (کو روز گار کی، یہاں مزدوری کے لیے علمی قابلیت کی ضرورت نہیں تھی۔ روز گار کے لیے وافر ذرائع تھے، یہاں پہنچتے ہی کسی فیکٹری یا کارخانہ میں کام مل جاتا، زبان دانی سے زیادہ جسمانی محنت کرنے والوں کی ضرورت ہوتی، آنے والوں کی اکثریت کا رجحان ہوتا کہ مختصر عرصہ محنت کر کے کچھ کمائیں گے اور اپنے ملک واپس جا کر آرام دہ سکونت اختیار کریں گے، ورنہ یہاں کی یخ بستہ سردی اور موسم کی شدت میں یہ جسمانی مزدوری آسان نہیں تھی، پھر گزرتے دنوں کے ساتھ ترجیحات تبدیل ہوتی گئیں اور اہل و عیال کے بغیر رہنے والوں نے اپنے بچوں کو یہاں بلانا شروع کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے خاندان کے خاندان یہاں آباد ہوتے گئے، بھائی اسلم ان لوگوں میں تھے جنہوں نے اپنی فیملی کو طویل عرصہ تک اپنے وطن میں ہی رکھنا پسند کیا لیکن بالآخر انہیں اپنا فیصلہ بدلنا پڑا اور بچوں کو یہاں بلا کر ساتھ رکھا۔

جمعیت اہلحدیث کے ساتھ وہ ابتدائی زمانہ سے وابستہ تھے۔ جماعتی سرگرمیوں میں بھرپور حصہ لیا کرتے، جمعیت کی مرکزی عمارت 20 گرین لین برمنگھم خریدی گئی اس وسیع عمارت کے ایک حصہ میں مسجد اور مدرسہ سلفیہ قائم کیا گیا، اس کے انتظام و انصرام کے لیے ایک مقامی کمیٹی تشکیل دی گئی، جس کے یہ باقاعدہ ممبر تھے، ان رضاکاروں کی کوششوں سے بہت جلد مسجد اور مدرسہ پھلتا پھولتا گیا اور یہ قافلہ آگے بڑھتا گیا۔ ان ممبران کی اکثریت دامے درمے سخنے ہر طرح تعاون کیا کرتے، قرآن و سنت کی خالص دعوت کی تبلیغ اور نشر و اشاعت کی سپورٹ کرتے، اس راہ میں حائل ہونے والی رکاوٹوں کا پامردی سے مقابلہ کرتے اور الحمد للہ اب یہ درخت اتنا تناور ہو گیا کہ اس کی شاخیں ملک کے طول و عرض میں چھاؤں فراہم کر رہی ہیں، اس کے برگ و بار سے نوجوان نسل خوب مستفید ہو رہی ہے اور اب یہ دعوت حق و باطل کا معیار اور پہچان بن گئی۔

برطانیہ میں درآمد شدہ بدعات و خرافات مرور ایام کے ساتھ دم توڑتی گئیں، بھائی اسلم حق شناسی اور حق گوئی کی علامت تھے، انہوں نے اپنے خاندان اور برادری کے اکثر لوگوں کی پرواہ کئے بغیر نہ صرف سچ کو سچ کہا بلکہ حق و صداقت کے قافلہ میں شامل رہے، گو کہ اس موقف کی انہیں وقتی طور پر کچھ قیمت چکانی پڑی، لیکن انہوں نے استقامت کا مظاہرہ کیا۔

برمنگھم کے مسلم گنجان علاقہ میں واقع مسجد محمدی کی توسیع کے لیے ملحقہ پلاٹ خریدنے کی ضرورت پیش آئی، علاقہ کی اہمیت کے اعتبار سے ان کے بہتیرے خریدار تھے، خریداروں کی دلچسپی کے سبب قیمت بھی چڑھتی گئی لیکن بھائی اسلم نے کچھ احباب کے ساتھ مل کر خریداروں کو پیچھے ہونے پر اخلاقی طور پر مجبور کیا کہ ہمیں مسجد کی توسیع کے لیے یہ جگہ مطلوب ہے، لہٰذا مسجد کے مقابلہ میں کوئی آگے نہ بڑھے، کچھ تو برادری کا اثر اور کچھ علاقائی تعلقات کا سبب تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کوششوں کو کامیاب بنایا اور مذکورہ پلاٹ مناسب قیمت پر مسجد کے حصہ میں آیا، جہاں اس وقت مسجد آباد ہے۔

یقیناً ان تمام اخوان و احباب جنہوں نے خریداری میں تعاون کیا ان سب کے لیے فرمان نبوی ﷺ کے بمصداق یہ عمل صدقہ جاریہ ہو گا:

«إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ: إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ»

(صحیح مسلم: 1631؛ جامع ترمذی: 1376)

ہم دعا گو ہیں کہ اللہ عزوجل اپنے آخری نبی ﷺ کی بشارت کے مطابق ان کے لیے جنت میں گھر عطا کرے۔

«مَنْ بَنَى لِلَّهِ مَسْجِدًا بَنَى اللَّهُ لَهُ مِثْلَهُ فِي الْجَنَّةِ» (جامع ترمذی: 318)

بھائی اسلم نوے برس کی عمر پا کر وفات پائی، جب تک ہوش و حواس درست رہے، پابندی سے مسجد آتے رہے نہ صرف نمازوں کے لیے بلکہ مسجد کے انتظامات میں ہاتھ بٹانے کو سعادت سمجھتے، مسجد کے ٹرسٹی اور مرکزی مجلس شوریٰ کے رکن تھے، لیکن مسجد کا کام حتیٰ کہ صفائی تک رضاکارانہ کرتے ہوئے راحت محسوس کرتے۔ اللّٰهُمَّ اغفر له وارحمه

☆☆☆

آخری بدھ کی خرافات

بعض حضرات و خواتین صفر المظفر کے آخری بدھ کو تعطیل (چھٹی) کر کے کاروبار اور دکانیں بند کر دیتے ہیں اور عید کی طرح خوشیاں مناتے ہیں اور سیر سپاٹے کے لیے گھروں سے نکل جاتے ہیں جس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ جناب نبی اکرم ﷺ اس آخری بدھ میں صحت یاب ہوئے تھے اور سیر و تفریح کے لیے باہر تشریف لے گئے تھے حالانکہ اس دعویٰ کی اصل نہ حدیث میں ہے اور نہ ہی تاریخ کی کتابوں میں موجود ہے۔ لہٰذا یہ ساری بدعات لغو اور دین حنیف میں اضافہ ہیں، شریعت میں ان کا کوئی جواز نہیں۔ اسی بات کو واضح کرتے ہوئے علامہ رشید احمد گنگوہی حنفی رقم طراز ہیں: ”آخری چہار شنبہ کی کوئی اصل نہیں بلکہ اس دن جناب رسول اللہ ﷺ کو شدتِ مرض واقع ہوئی تھی۔ یہودیوں نے خوشی منائی تھی، وہ اب جاہل ہندوؤں میں رائج ہو گئی ہے۔“ (تالیفات رشیدیہ: 154)

فاضل بریلوی احمد رضا خان چہار شنبہ کے بارے لکھتے ہیں: ”آخری چہار شنبہ کی کوئی اصل نہیں، نہ اس دن صحت یابی حضور کا کوئی ثبوت بلکہ مرضِ اقدس جس میں وفاتِ مبارک ہوئی اسکی ابتدا اسی دن سے بتائی جاتی ہے۔“ (احکام شریعت: 2/189)

توبہ کرنے والوں کے لیے چالیس وصیتیں

سورۃ سبا میں درسِ عبرت کے چند اہم پہلو

تفسیر القرآن

مولانا محمد عبدالحفیظ اسلامی

1۔ اس بات کو جان لیں کہ آپ مردہ تھے اللہ نے آپ کو نورِ ہدایت سے زندگی عطا کیا۔

اللہ کا ارشاد ہے:

﴿ أَوَمَن كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ كَمَن مَّثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ۚ كَذَٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكَافِرِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ (سورۃ الأنعام: 122)

ایسا شخص جو پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کر دیا اور ہم نے اس کو ایک ایسا نور دے دیا کہ وہ اس کو لیے ہوئے آدمیوں میں چلتا پھرتا ہے۔ کیا ایسا شخص اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے؟ جو تاریکیوں سے نکل ہی نہیں پاتا۔ اسی طرح کافروں کو ان کے اعمال خوش نما معلوم ہوا کرتے ہیں۔

2۔ اگر اللہ نے آپ کو توبہ کی توفیق دی ہے اور اس نے محرمات کا ارتکاب کرتے ہوئے آپ کی روح قبض نہیں کی تو اس پر آپ اللہ کی تعریف کریں۔

3۔ اس بات کو بخوبی جان لیں کہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والے کی توبہ سے بے حد خوش ہوتا ہے، حدیث نبوی ہے:

« لَلّهُ أَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ عَبْدِهِ الْمُؤْمِنِ مِنْ رَجُلٍ فِي أَرْضٍ دَوِّيَّةٍ مَهْلِكَةٍ مَعَهُ رَاحِلَتُهُ عَلَيْهَا طَعَامُهُ وَشَرَابُهُ فَنَامَ فَاسْتَيْقَظَ وَقَدْ ذَهَبَتْ فَطَلَبَهَا حَتَّى أَدْرَكَهُ الْعَطَشُ ثُمَّ قَالَ أَرْجِعُ إِلَى مَكَانِيَ الَّذِي كُنْتُ فِيهِ فَأَنَامُ حَتَّى أَمُوتَ فَوَضَعَ رَأْسَهُ عَلَى سَاعِدِهِ لِيَمُوتَ فَاسْتَيْقَظَ وَعِنْدَهُ رَاحِلَتُهُ وَعَلَيْهَا زَادُهُ وَطَعَامُهُ وَشَرَابُهُ فَاللَّهُ أَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ الْعَبْدِ الْمُؤْمِنِ مِنْ هَذَا بِرَاحِلَتِهِ وَزَادِهِ» (صحیح مسلم: 2744)

”اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندے کی توبہ پر اس سے زیادہ خوش ہوتا ہے جتنا وہ آدمی (خوش ہوتا ہے) جو ہلاکت خیز سنسان اور بے آب و گیاہ میدان میں ہو، اس کے ساتھ اس کی سواری ہو، اس (سواری) پر اس کا کھانا اور پانی لدا ہوا ہو، وہ (تھکا ہارا کچھ دیر کے لیے) سو جائے اور جب جاگے تو سواری جا چکی ہو۔ وہ ڈھونڈتا رہے یہاں تک کہ اسے شدید پیاس لگ جائے، پھر وہ کہے: میں جہاں پر تھا، اسی جگہ واپس جاتا ہوں اور سو جاتا ہوں، یہاں تک کہ (اس نیند کے عالم میں) مجھے موت آ جائے۔ وہ اپنی کلائی پر سر رکھ کر مرنے کے لیے لیٹ جائے اور (اچانک) اس کی آنکھ کھلے تو اس کی وہ سواری جس پر اس کا زادِ راہ کھانا اور پانی تھا اس کے پاس کھڑی ہو۔ تو اللہ اپنے مومن بندے کی توبہ پر اس سے زیادہ خوش ہوتا ہے جتنا یہ آدمی اپنی سواری اور زادِ راہ سے خوش ہوتا ہے۔“

4۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سچی توبہ کرنے والوں کے گناہوں کو نیکیوں میں بدلنے کا وعدہ کیا ہے، فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿إِلَّا مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا﴾ (سورۃ الفرقان: 70)

” سوائے ان لوگوں کے جو توبہ کریں اور ایمان لائیں اور نیک کام کریں، ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دیتا ہے، اللہ بخشنے والا مہربانی کرنے والا ہے۔“

5۔ کیا آپ کو علم ہے کہ اللہ تعالیٰ سچی توبہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے، اللہ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ﴾ (سورۃ البقرۃ: 222)

” اللہ توبہ کرنے والوں کو اور پاک رہنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔“

6۔ خالص سچی توبہ کریں اور نبی ﷺ کی ایک صحابی کو کی گئی یہ نصیحت یاد رکھیں:

«إِنْ تَصْدُقِ اللَّهَ يَصْدُقْكَ»(سنن نسائی: 1953)

اگر تم سچے ہو تو اللہ تعالیٰ بھی اپنا وعدہ سچ کر دکھائے گا۔

7۔ برے دوستوں کی صحبت سے دور رہو، ان کی مجلسوں میں شریک نہ ہو، اپنے موبائل فون سے ان کا رابطہ نمبر ڈیلیٹ کر دو بلکہ انہیں یاد دلانے والی جو بھی چیز تمہارے پاس ہو وہ سب ختم کر دو، کیوں کہ یہ تمہارے لیے زہرِ ہلاہل ہیں اور اگر تم نے ان کے ایسا تعامل کرنے میں کوتاہی کی تو وہ دن دور نہیں کہ وہ تمہیں اپنے راستے کی طرف کھینچ لے جائیں گے۔

8۔ اللہ تعالیٰ سے ثابت قدمی کی دعا کریں اور نبی ﷺ کی اس دعا پر غور کریں:

«يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ، ثَبِّتْ قَلْبِي عَلَى دِينِكَ»(جامع ترمذی: 2140)

اے دلوں کے الٹنے پلٹنے والے میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ۔

9۔ اللہ سے خوف کے پہلو کو غالب نہ کریں اور اس

بات کو جان لیں کہ اللہ تعالی وسیع مغفرت والا ہے، اللہ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ﴾ (سورۃ النجم:32)

بیشک تیرا رب بہت کشادہ مغفرت والا ہے۔

اور فرمایا: ﴿ وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدَىٰ ﴾(سورۃ طہٰ:82)

ہاں بیشک میں انہیں بخش دینے والا ہوں جو توبہ کریں، ایمان لائیں، نیک عمل کریں اور راہ راست پر بھی رہیں۔

10۔ جو بھی تمہارے پاس حرام اشیاء ہیں انہیں اپنے پاس سے ختم کردو، جیسے: تصاویر، موبائل فون کا غلط استعمال، موبائل کے حرام وفحش ویڈیوز کو ڈلیٹ کردو، یہ چیزیں تمہاری سچی توبہ کی دلیل ہیں۔

11۔ گناہوں کو چھوڑنے میں شروع میں آپ کو تکلیف محسوس ہوگی لیکن اپنے نفس سے مجاہدہ کریں اور صبر کریں، اللہ کے اس فرمان کو یاد رکھیں:

﴿وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا﴾ (سورۃ الطلاق:2)

اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے چھٹکارے کی شکل نکال دیتا ہے۔

12۔ جب آپ صالحین کی صحبت اختیار کریں تو یہ جان لیں کہ صالح نوجوانوں کا طبقہ معصوم نہیں ہے بلکہ ان میں اچھے، برے، بلند کردار اور بد اخلاق ہر طرح کے ہوتے ہیں تو انہیں دیکھ کر آپ بے چین اور کبیدہ خاطر نہ ہوں کیوں کہ اعتبار منہج اور دین کا ہوتا ہے شخصیات کا نہیں۔

13۔ پہلے اپنے اہل وعیال اور اپنی سوسائٹی کے ساتھ اپنا سلوک بدلیں ہدایت کی پہلی گھڑی سے ہی، کیوں کہ استقامت کا فائدہ افضل لوگوں کے لیے تبدیلی ہے۔

14۔ آپ نیک اعمال میں بہترین شروعات کرنے والے اور بلند ہمت بنیں۔

15۔ سنن ورواتب کی پابندی کریں، کیوں کہ یہ تمہارے ایمان اور ثابت قدمی میں اضافہ کریں گی اور یہ آپ سے اللہ کی محبت کا سبب اور ایمان کی حلاوت حاصل کرنے کا راستہ ہے۔

16۔ سیرت رسول، سیرت صحابہ اور صالحین کے واقعات کا مطالعہ کریں، اس سے آپ کو دین پر ثابت قدمی حاصل ہوگی، اللہ کا فرمان ہے:

﴿ وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ ﴾ (سورہ ہود:120)

رسولوں کے سب احوال ہم آپ کے سامنے آپ کے دل کی تسکین کے لیے بیان فرمار ہے ہیں۔

17۔ آپ کے توبہ کرنے کے بعد بعض لوگ آپ کا مذاق اڑائیں گے جیسے آپ کے رشتے دار، مدرسہ کے ساتھی، محلے کے دوست واحباب، تو آپ ان پر توجہ نہ دیں اور منہج صحیح (جس پر نبی اور صحابہ قائم تھے) پر استقامت کو اپنے لیے باعث عزوشرف سمجھیں۔

18۔ اپنے دل کو نرم کریں، ہاسپٹلوں میں جاکر، مردوں کے غسل میں حاضر ہوکر اور قبروں کی زیارت کرکے۔

19۔ آپ کی توبہ کو مفید بنانے والی چیز انٹرنیٹ پر موجود ایسی مفید سائٹس کا استعمال ہے جن میں بہترین نصیحتیں، مقالات اور فتاوے ہوں، اور اس کے لیے معتبر، مستند اور معروف سلفی علماء اور دعاۃ کو لازم پکڑیں۔

20۔ انفرادی عبادت کا اہتمام کریں جیسے: نفل روزے، قیام اللیل، عمرہ وغیرہ، کیوں کہ دین پر ثابت قدمی کے لیے ان عبادات کا بڑا کردار ہے۔

21۔ اپنے فارغ اوقات کو اچھے کاموں میں مصروف رکھیں جیسے: تحفیظ القرآن کے حلقات، تربیتی مجالس میں حاضری، طلب علم وغیرہ۔

22۔ تنظیم وقت کا خیال رکھیں اور ان اہداف کو پیش نظر رکھیں جو آپ کی آنے والی زندگی کو خوشگوار بنانے میں معاون ہوں اور ان چیزوں تک پہنچنے کی کوشش کریں جیسے: شادی، حفظ قرآن سے آغاز، ہر ہفتہ دروس ومحاضرات میں شرکت۔

23۔ اپنے مسائل کو تنہا حل نہ کریں بلکہ مشائخ اور علماء سے مشورے لیں۔

24۔ مجالس ذکر کو لازم پکڑیں جو تمہارے لیے مناسب ہوں۔

25۔ شیطانی راہوں سے بچیں، اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ﴾ (سورۃ البقرۃ: 168) اور شیطانی راہ پر نہ چلو۔

26۔ تمہارے توبہ کے بعد پیش آنے والے منکرات کی تردید میں عجلت سے کام نہ لیں، وہ منکرات چاہے تمہارے گھر میں ہوں یا تمہاری ملازمت کی جگہ میں یا تمہارے شہر میں، بلکہ حکمت سے کام کریں، اللہ کا ارشاد ہے:﴿ وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ﴾(سورۃ البقرۃ: 269)

اور جو شخص حکمت اور سمجھ دیا جائے وہ بہت ساری بھلائی دیا گیا۔

27۔ اپنے ماضی کے تجربات کو اپنی نئی زندگی میں کسی درس میں پیش کریں جیسے بروں کی دوستی میں تساہل آپ کو ضائع کرنے کا سبب ہے لہٰذا مستقبل میں فاسقوں کی صحبت میں تساہل سے کام نہ لیں۔

28۔ یہ جان لیں کہ ہدایت مل جانے کے بعد آپ کے ماضی کے بڑے گناہ آپ کو بڑا آدمی بننے سے مانع نہیں ہیں، غور کریں کہ عمر بن خطابؓ ہدایت سے پہلے کیا تھے اور ہدایت کے بعد کیا ہوگئے؟ حمزہ بن عبد المطلبؓ ہدایت سے پہلے کیا تھے اور ہدایت کے بعد کیا ہوگئے؟ اعتبار توبہ کے بعد آپ کی حالت کا ہے نہ کہ توبہ سے پہلے کی حالت کا۔

29۔ ہدایت کے لیے صحیح فہم ضروری ہے، آپ کے لیے جائز ہے کہ آپ اعتدال میں رہ کر اور شرعی ضوابط کی پابندی کرتے ہوئے مباحات کی کوشش کریں۔

30۔ فتنوں کے مقامات سے دور رہیں، فتنے دو طرح کے ہوتے ہیں: شہوات اور شبہات، ابتدائی چھوٹے چھوٹے فتنوں سے اپنی حفاظت کے لیے تساہل سے کام نہ لیں، کیوں کہ یہی آپ کو آخری حد تک پہنچا سکتے ہیں۔

31۔ رحلہ ایمانیہ کا اہتمام کریں، جیسے: کسی نیک مومن بندے کے ساتھ عمرہ کا سفر۔

32۔ توبہ کرنے والوں کے واقعات پڑھیں اس سے توبہ میں آپ کو بہترین نمونے ملیں گے۔

33۔ دعوت کے اصول و شروط اور داعی کے صفات جاننے سے پہلے اور دعوت کی مشق وٹریننگ کے بغیر لوگوں کو اللہ کی طرف بلانے اور وعظ و نصیحت کا کام شروع نہ کریں۔

34۔ صحیح راستے سے علم حاصل کریں، بہتر ہوگا کہ کسی اچھے طالب علم کے پاس بیٹھیں تاکہ وہ علم کے مناسب وسیلے کی تمہاری رہنمائی کرے۔

35۔ توبہ کے متعلق احکام سیکھیں، مثال کے طور پر کہ تم نے حرام مال کسی کا لے لیا ہو تو تمہارے لیے ضروری ہے کہ تم اسے حق والے کو واپس کردو اگر وہ آدمی نہ ملے تو وہ مال اس کی طرف سے صدقہ کردو، ایسے بہت سارے مسائل ہیں جن کا صحیح جواب جاننا تمہارے لیے ضروری ہے، لہٰذا ایسے مسائل کے حل کے لیے علم حاصل کریں۔

36۔ غلو اور انتہا پسندی سے بچو اور مختصر ہی سہی اعمال صالحہ پر مداومت کرو۔

نبی ﷺ کا فرمان ہے: «أَحَبُّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللهِ تَعَالَى أَدْوَمُهَا وَإِنْ قَلَّ» (صحیح مسلم: 783)

اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوب ترین کام وہ ہے جس پر ہمیشہ عمل کیا جائے اگرچہ وہ قلیل ہو۔ اس لیے کہ غلو کا راستہ پائیدار نہیں ہوتا۔

37۔ کثرت سے تلاوت قرآن کا اہتمام کریں تاکہ آپ کا دل حب الٰہی سے معمور رہے۔

38۔ اپنے نفس کی حفاظت کے لیے شادی کرنے میں جلدی کریں اس لیے کہ اکثر گناہ شہوات کے راستے سے انجام پاتے ہیں۔

39۔ لوگوں کے پیش آمدہ مسائل کو حل کرنے میں توازن برقرار رکھیں، ہر حق والے کو اس کا حق دلانے کی پوری کوشش کریں۔

40۔ صرف اہل علم سے فتویٰ لیں بعض ایسے نوجوانوں کے فتاوے سے بچیں جن کے توبہ کیے ہوئے ابھی چند مہینے نہیں گزرے ہوتے ہیں اور جہالت ابھی ان سے ختم نہیں ہوتی ہے، بہت سارے توبہ کرنے والوں نے بعض ایسے تائبین سے سوال کیے جو علم میں ابھی راسخ نہیں تھے تو وہ ان کی گمراہی کا سبب بن گئے۔

41۔ آپ کی ایک ذمہ داری یہ بھی ہے کہ وہ مقامات جو اس سے پہلے آپ کی گمراہی کا سبب بنے ہیں ان کے بارے میں لوگوں کو آگاہ کردیں جیسے: جادوگر کی جگہ یا جو آدمی منشیات کی تجارت کرتا تھا وغیرہ۔

42۔ یقین رکھیں کہ تنہائی کے گناہ بری عادتوں کی طرف لوٹنے کا سبب ہیں اور تنہائی کی نیکیاں ثابت قدمی کا سبب ہیں۔

ہم اللہ سے سوال کرتے ہیں کہ اللہ آپ کو دین پر ثابت قدم رکھے اور آپ کو اپنے سماج کا بہترین قدوہ بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

☆☆☆

نحوست کی نفی کرنے والے، بغیر حساب جنت میں

اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے والے لوگوں کے بارے میں رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

"مجھے میری اُمت کے بارے میں بتایا گیا کہ یہ آپ کی اُمت ہے، ان میں ستر ہزار ایسے ہیں جو پہلے جنت میں جائیں گے، ان پر کوئی حساب اور عذاب نہیں ہوگا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: میں نے پوچھا کہ یہ کس وجہ سے بغیر حساب اور عذاب کے جنت میں جائیں گے؟ تو جبریل نے جواب دیا:

"(ان کی صفت یہ ہے کہ) وہ اپنے جسم کو داغتے نہیں، نہ ہی دم کرواتے ہیں، نہ کسی چیز کو منحوس سمجھتے اور وہ اپنے ربّ پر توکل کرتے تھے۔" (صحیح بخاری: 6157)

مندرجہ بالا حادیث میں بلا حساب جنت میں جانے والے لوگوں کے اوصاف کا ذکر ہے، ان میں ایک خوبی یہ ہے کہ وہ کسی چیز کو منحوس نہیں سمجھتے اور ان میں توکل کا مادہ بدرجہ اتم موجود ہے۔

2. نبی کریم ﷺ کا فرمانِ اقدس ہے:

"کسی چیز کو منحوس خیال کرنا شرک ہے، کسی چیز کو منحوس خیال کرنا شرک ہے۔" (مسند احمد: 410/4)

3. قرآن میں ہے: ﴿ما أصابَ مِن مُصيبَةٍ فِي الأَرضِ وَلا في أَنفُسِكُم إِلّا في كِتابٍ مِن قَبلِ أَن نَبرَأَها﴾ (سورة الحديد: 22)

"کوئی مصیبت نہ زمین پر پہنچتی ہے اور نہ تمہاری جانوں پر مگر وہ ایک کتاب میں ہے، اس سے پہلے کہ ہم اسے پیدا کریں۔"

4۔ اسی طرح ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے توکل کے بارے فرمایا:

"جان لو! اگر لوگ اس بات پر جمع ہوجائیں کہ وہ تمھیں کچھ فائدہ پہنچائیں تو وہ کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتے، مگر وہی جو اللہ نے تمہاری تقدیر میں لکھ دیا ہے اور اگر لوگ اس بات پر جمع ہوجائیں کہ وہ تمھیں کچھ نقصان پہنچائیں تو وہ تمھیں کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر وہی جو اللہ نے تم پر لکھ دیا ہے۔"



شیخ البانی رحمہ اللہ کی ولادت اور تعلیم وتربیت

امام ومجدد اسلام ابو عبد الرحمن محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ کی ولادت با سعادت 1333ھ میں غربت کے شکار، دین دار، علم کے علم بردار گھرانے میں ہوئی اور وفات حسرت آیات 1420ھ میں ہوئی۔ اپنی باشعور زندگی کے ابتدائی بیس سالوں میں حفظ قرآن، لغت اور فقہ پر بڑی کڑی توجہ دی، پھر محمد رشید رضا رحمہ اللہ کے مجلۃ المنار کے حدیثی مضامین سے متاثر ہو کر علم حدیث، تخریج، تعلیق و تحقیق کا علمی سفر شروع کیا۔

پچاسی سالہ مبارک زندگی کے مکمل ساٹھ سالہ عرصے کو محض خدمت حدیث کے لیے وقف کیا۔ ساتھ ہی ساتھ مشروع العمر اور مقصد زندگی 'تقریب السنة بين يدي الأئة' بنایا۔ نتیجتاً بفضلہ اپنی شاہ کار حدیثی تحقیقات کے تناظر میں شہرۂ آفاق ممتاز ومایہ ناز فقیہ مجدد مجتہد ومحدث زمانہ ہی نہیں بلکہ عصر حاضر میں علم حدیث کے میر کارواں، بحر بیکراں اور ایسے روح رواں قرار پائے کہ جن کی تین سو سے زائد کتابیں اور مقالات مستقل تصنیف، تخریج، تحقیق وتعلیق پر مشتمل ہیں اور ان قیمتی کتابوں کی علمی ندرت، تحقیقی انفرادیت، عوام وخواص کے درمیان بے پناہ شہرت، مقبولیت اور افادیت کے پیش نظر 1419ھ مطابق 1999ء میں شیخ البانی رحمہ اللہ کو جائزۃ الملک فیصل العالمیۃ للدراسات الإسلامیۃ سے نوازا گیا۔

اُلفت وحقیقت کے دشمنوں نے شیخ البانی رحمہ اللہ کو محض ایک گھڑی ساز اور بڑھئی کے طور پر پیش کرنے کی ناکام کوشش کی، جب کہ دمشق میں مدرسۃ الإسعاف کی ابتدائی تعلیم، بالخصوص والد محترم ودیگر عباقرہ اساتذہ سے حاصل کردہ مختلف علوم وفنون کا اصولی علم ساری نگارشات میں نمایاں طور پر ظاہر ہوتا ہے۔

اقسام نگارشات

ہم شیخ البانی رحمہ اللہ کی جملہ کتابوں کو پانچ حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں، کیونکہ کچھ کتابیں مطبوع، اکثر کتابیں مخطوط، بعض کتابیں جیسے التعليق الممجد على موطأ الإمام محمد للكنوي، السفر الموجب للقصر، الثمر المستطاب في فقه السنة والكتاب، سبل السلام شرح بلوغ المرام للصنعانی اور صحيح الإسراء والمعراج --- نامکمل اور چند کتابیں جیسے أحكام الركاز، إزالة الشكوك عن حديث البروك، مناظرة كتابية مع طائفة من أتباع الطائفة القاديانية وغیرہ مفقود اور کچھ کتابیں جیسے الحوض المورود في زوائد منتقى ابن الجارود التعليقات الجياد على زاد المعاد لا بن القيم اور زهر الرياض في رد ما شنعه القاضی عياض--- نامکمل ہونے کے ساتھ ساتھ مفقود بھی ہیں۔

ماہرین البانیات میں بعض نے شیخ البانی رحمہ اللہ کی جانب بارہ منسوب نگارشات کو تحقیق اور توثیق طلب جانا کیوں ان کا معیار شیخ البانی رحمہ اللہ کی دیگر کتابوں کی طرح نہیں مثال کے طور پر حکم تارك الصلاة اور الابتداع في الدين وغیرہ۔

پندرہ سے زائد ایسی تفصیلی کتابیں ہیں، جن میں شیخ البانی رحمہ اللہ کے علمی منہج کو تفصیلی طور پر بتایا گیا ہے، جیسے اختيارات الشيخ الألباني و تحقيقاته للشيخ بكر أبو زید رحمہ اللہ، جن سے پتا چلتا ہے کہ شیخ البانی رحمہ اللہ کی چودہ کتابیں محض ردود پر مشتمل ہیں اور چوبیس ایسے اہم ترین مقالات ہیں جو مختلف اوقات میں متعدد مجلات میں شائع ہوتے رہے۔

ہمہ جہت عبقریت

تصنیفات، تحقیقات وتعلیقات پر طائرانہ یا غائرانہ نظر ڈالنے سے شیخ البانی رحمہ اللہ کی ہمہ جہت عبقریت کا اندازہ بخوبی ہوتا ہے، سب سے پہلی مستقل کتاب تحذير الساجد من اتخاذ القبور مساجد اور پھر شرح العقيدة الطحاوية، البدعة، الرد على الجهمية للدارمي، العبودية لابن تيمية، تحقيق مختصر العلو للعلي الغفار للذهبي، الآيات البينات في عدم سماع الأموات على مذهب الحنفية السادات للآلوسي، التوسل أنواعه وأحكامه، الاحتجاج بالقدر لابن تيمية، الإيمان لابن أبي شيبة، الإيمان للقاسم بن سلام، الإيمان لابن تيمية اور القائد إلى تصحيح العقائد للمعلمي جیسی تحقیقات ونگارشات سے صحیح عقیدے کا غیر معمولی اہتمام ظاہر ہوتا ہے۔

صحیح عقیدے کے اہتمام کے ساتھ ساتھ شیخ البانی رحمہ اللہ کی منہجی عبقریت اگر مجھنی ہو تو الحديث حجة بنفسه في العقائد والأحكام التوحيد أو لأ يا دعاة الإسلام اور فتنة التكفير جیسی دیگر نگارشات کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

صلاة العيدين في المصلى خارج البلد هي السنة منزلة السنة في الإسلام إصلاح المساجد من البدع والعوائد لمحمد القاسمي اور أحكام الجنائز وبدعها جیسی تحقیقات و نگارشات سے سنت سے محبت اور بدعت کی مذمت معلوم ہوتی ہے۔

بداية السول في تفضيل الرسول لعز بن عبد السلام فضل، الصلاة على النبي، صحيح السيرة النبوية، فقه السيرة للغزالي، اور مختصر الشمائل المحمدية جیسی تحقیقات و نگارشات سے شیخ البانی رحمہ اللہ کا سیرت طیبہ سے شغف بلکہ حب نبوی جھلکتی ہے۔

كيف يجب علينا أن نفسر القرآن جیسی تحقیقات و نگارشات سے علوم قرآن اصول تفسیر سمیت تفسیری ملکہ کا پتہ چلتا ہے۔

مصطلح الحدیث کے باب میں النكت على نزهة النظر في توضيح نخبة الفكر، اور الباعث الحثيث شرح اختصار علوم الحديث لأحمد شاكر عیسی نگارشات میں شیخ البانی رحمہ اللہ کی تعلیقات و حواشی بڑی لاجواب ہیں۔

لفتة الكبد في تربية الولد لابن الجوزي ، اقتضاء العلم العمل للخطيب البغدادي، التصفية والتربية وحاجة المسلمين إليهما، رياض الصالحين، صحيح وضعيف الترغيب والترهيب، وصحيح الأدب المفرد وضعيف الأدب المفرد اور تحريم آلات الطرب سے اخلاقیات کے باب میں تربیہ و تصفیہ کا پہلو نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔

أحاديث المزارعة والمؤاجرة، تمام النصح في مسألة المسح، تأسيس الأحكام على ما صح عن خير الأنام بشرح أحاديث عمدة الأحكام لأحمد النجمي، الأحاديث الصحيحة مرتبةً على الأبواب الفقهية، إرواء الغليل في تخريج أحاديث منار السبيل، تبويب وترتيب أحاديث الجامع الصغير وزيادته على أبواب الفقه، تمام المنة في التعليق على فقه السنة، الثمر المستطاب في فقه السنة والكتاب، صفة صلاة النبي، صلاة التراويح، أحكام الجنائز، حقيقة الصيام، سبل السلام شرح بلوغ المرام، مناسك الحج والعمرة في الكتاب والسنة، آداب الزفاف في السنة المطهرة، التعليقات الرضية على الروضة الندية اور العقود لابن تيمية جیسی تالیفات تحقیقات۔

تعلیقات و تخریجات سے فقہی تمکنت اور سؤال وجوابه حول فقه الواقع جسے علمی مجموعے سے شیخ البانی رحمہ اللہ کی فقہی عبقریت سمیت فقه النوازل والمستجدات اور حاضر العالم الإسلامي کا گہرا انداز ہوتا ہے، علاوہ ازیں صفة الفتوى والمفتي والمستفتي تو اصولی علم کا مثالی شاہ کار ہے۔

تعقيب على كتاب الحجاب للمودودي، دفاع عن الحديث النبوي والسيرة الذب الأحمد عن مسند الإمام أحمد، وجوب الأخذ بحديث الآحاد في العقيدة والرد على شبه المخالفين، التنكيل بما في تأنيب الكوثري من الأباطيل لعبد الرحمن المعلمي، رفع الأستار لإبطال أدلة القائلين بفناء النار لمحمد الصنعاني اور أداء ما وجب من بيان وضع الوضاعين في رجب لا بن دحية جیسی تحقیقات و نگارشات سے علمی ردود کا سلیقہ ملتا ہے۔

حقوق النساء في الإسلام وحظهن من الإصلاح المحمدي العام لمحمد رشيد رضا، اور تخريج أحاديث مشكلة الفقر وكيف عالجها الإسلام للقرضاوي عیسی تحقیقات سے انسانیت نوازی نظر نواز ہوتی ہے۔

اجزاء حدیثیہ کی ترتیب میں محدثین کے منہج اور شیخ البانی رحمہ اللہ کی عبقریت سمجھنی ہو تو صفة صلاة النبي صلى الله عليه وسلم اور حجة النبي صلى الله عليه وسلم کا مطالعہ کرنا ہوگا۔

اختصار کتب حدیث کی عمدہ مثالیں دیکھنی ہو تو مختصر صحیح البخاری و مختصر صحیح مسلم پڑھنی ہوگی۔

تراجم رواۃ اور اسماء رجال کے باب میں جزء من الإكمال في أسماء الرجال للخطيب التبريزي، تسهيل الانتفاع بكتاب ثقات ابن حبان، الجمع بين ميزان الاعتدال للذهبي، ولسان الميزان لابن حجر، اور رجال الجرح والتعديل لابن أبي حاتم کا مطالعہ بہتر ہے۔

انساب کے موضوع پر اسعاف الأعيان في أنساب أهل عمان لسالم السيابی کی احادیث کی تخریج بڑی عمدہ ہے۔

حدیثی صناعت و مہارت کی شاہ کار کتابیں اور علوم حدیث اور فقہ السنہ کا بہترین امتزاج بلکہ بحر بے کراں اگر دیکھنا ہو تو سلسلة الأحاديث الصحيحة وشيء من فقهها ووفوائدها،

سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة وأثرها السيء في الأمة، التعليقات الحسان على صحيح ابن حبان، صحيح موارد الظمآن إلى زوائد ابن حبان ضعيف موارد الظمآن إلى زوائد ابن حبان، هداية الرواة إلى تخريج أحاديث المصابيح و المشكاة اور سنن اربعہ کی صحیح وضعیف مستقل کتابوں کا مطالعہ حرف بحرف کرنا ہو گا۔

یادر ہے کہ عصر حاضر میں تخریج کے ساتھ سب سے وسیع ترین فقہی کتاب إرواء الغليل في تخريج أحاديث منار السبيل شیخ البانی رحمہ اللہ نے دنیائے علم و عرفان کے لیے پیش کی۔

شیخ البانی رحمہ اللہ معاصر محدثین وفقہا کی نظر میں

عقیدہ منہج اتباع سنت و سیرت، حجیت حدیث، تفسیر، شرح حدیث، اصول تفسیر و حدیث، علوم حدیث، فقہ السنہ، فقہ مقارن، فقہ الواقع، تراجم رواۃ، اسماء رجال اور تخریج وغیرہ کے اعتبار سے متعدد تصنیفات کے تنوع اور تفنن کے تناظر میں شیخ البانی رحمہ اللہ کی عبقریت کا اندازہ لگانے کے بعد اس پر مزید یقین کی مہر ثبت کرنے کے لیے ہمعصر علمائے کرام کے درج ذیل تجزیے وتبصرے ملاحظہ فرمائیں:

امام ابن عثیمین رحمہ اللہ نے فرمایا: أما من خلال قرائتي لمؤلفاته فقد عرفت ذلك أي أنه فضيلة محدث الشام الشيخ الفاضل وأنه ذو علم جم في الحديث رواية ودراية إلى أن قال: وعلى كل حال فالرجل طويل الباع واسع الاطلاع قوي الإقناع ونسأل الله أن يكثر من أمثاله في الأمة بھی فرمایا عالم محدث فقيه مزيد فرمایا إمام في الحديث لا نعلم أن أحدا يباريه في عصرنا - یعنی شیخ کی تالیفات کے مطالعے سے میں نے جان لیا کہ شیخ محترم کی شخصیت ملک شام کے معزز محدث کے طور پر ہے۔ بڑے فاضل شیخ ہیں، روایت حدیث و فہم حدیث کے اعتبار سے علم حدیث کا قابل لحاظ علم رکھتے ہیں۔۔۔ بہر حال یہ مرد مؤمن علم حدیث کا بحر بیکراں اور بڑی شدت سے قائل و مطمئن کرانے والا ہے، اللہ سے ہماری دعا ہے کہ امت میں ان جیسوں کی کثرت ہو۔ وہ تو بڑے عالم، محدث اور فقیہ ہیں۔ علم حدیث کے ایسے امام ہیں کہ ہمارے دور میں کوئی ان کا مد مقابل ہمارے علم میں نہیں۔ شیخ مقبل بن ہادی الوادعی رحمہ اللہ نے فرمایا: إننا لا نزال نزداد علما بسبب كتب الشيخ.

یعنی شیخ محترم کی کتابوں سے ہمارے علم میں برابر اضافہ ہو تا رہتا ہے۔ بطور اصول بتایا:

ولا يقدح في الشيخ ناصر الدين وفي علمه إلا مبتدع من ذوي الأهوائ

یعنی شیخ محترم کی شخصیت اور شیخ محترم کے علم پر جرح کرنے والا نفسانی خواہشات کا شکار بدعتی ہی ہو سکتا ہے۔ بطور تنبیہ عرض کیا: أي مكتبة ليس فيها كتب ناصر الدين الألباني فهي تعتبر فقيرة. یعنی جو بھی مکتبہ شیخ البانی رحمہ اللہ کی کتابوں سے خالی ہو وہ قابل ترس ناقص مکتبہ شمار ہو گا۔

مزید فرمایا: إرواء الغليل كتاب فقه و كتاب جرح و تعديل و كتاب تصحيح وتضعيف فهو يعتبر من أنفس كتب الشيخ الألباني، ثم جمع الطرق التي يأتي بها الشيخ ربما لا تتيسر لعصري في هذا الزمن فهو من أنفس لا أقول من كتب الشيخ بل من أنفس الكتب كلها. یعنی ارواء الغلیل فقہ جرح و تعدیل اور احادیث کو صحیح وضعیف قرار دینے کی کتاب ہے اور یہ شیخ محترم کی نفیس ترین نگارشات میں سے ہے۔ علاوہ ازیں عصر حاضر شیخ محترم کی طرح روایات کی سندوں کو اکٹھا کرنا شائد ہی عصر حاضر کے کسی عالم کے لیے ممکن ہو پائے، بنا بریں میں یہ نہیں کہتا کہ زیر بحث کتاب محض شیخ محترم ہی کی عمدہ کتابوں میں سے ایک ہے، بلکہ ساری عمدہ کتابوں میں ایک منفرد کتاب ہے۔

شیخ بن باز رحمہ اللہ نے شیخ البانی رحمہ اللہ کی عبقریت بتائی اور فرمایا: ما رأيت تحت أديم السماء عالما بالحديث في العصر الحديث مثل محمد ناصر الدين الألباني

یعنی روئے زمین پر شیخ البانی رحمہ اللہ کی طرح دور حاضر میں میں نے کسی دوسرے عالم کو نہیں پایا، مزید فرمایا: هو جدير بأن ينتفع بكتبه ويستفاد منها و أنا ممن يستفيد منها طالعت الكثير من كتبه فهي كتب مفيدة

یعنی شیخ محترم کی کتابوں سے استفادہ کرتے رہنا چاہیے، بلکہ میں بھی شیخ محترم کی کتابوں سے فیض یاب ہونے والوں میں سے ہوں اور میں نے شیخ محترم کی ڈھیر ساری کتابوں کا مطالعہ کیا۔ یقیناً بڑی ہی مفید کتابیں ہیں۔ استاذ محترم شیخ عبد المحسن العباد نے فرمایا: لقد كان رحمه الله من العلماء الأفذاذ الذين أفنوا أعمارهم في خدمة السنة والتأليف فيها. یعنی شیخ محترم اُن منفرد علما میں سے ہیں جنھوں نے سنت کی خدمت اور حدیثی تصنیفات میں اپنی عمر لگا دیں۔

شیخ البانی رحمہ اللہ کی علمی عبقریت سے واقفیت کے لیے محدث زمانہ شیخ مقبل وادعی رحمہ اللہ کا قول ہی کافی ہے کہ لقد هممت أن أرد على الشيخ الألباني في مسألة كشف الوجه للمرأة ولكن هبت أن يرد علي فردوده تقصم الظهر. یعنی میں نے عزم مصمم کیا کہ عورت چہرے کا پردہ کرے گی یا نہیں اس مسئلے میں شیخ البانی رحمہ اللہ پر رد کروں لیکن مجھے ڈر لاحق ہوا کہ کہیں وہ مجھ پر ردنہ کر دیں، کیونکہ ان کے ردود تو کمر توڑ دیتے ہیں۔

☆☆☆



خواتین جنت کی سردار

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے رسول اکرم ﷺ کی سب سے چھوٹی اور سب سے زیادہ پیاری بیٹی تھیں۔ (صحیح بخاری)

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جب آپ کے پاس تشریف لاتیں تو آپ ﷺ کھڑے ہو جاتے، بیٹی کا ماتھا چومتے اور انہیں اپنی جگہ بٹھا کر خود دوسری جگہ تشریف رکھتے۔ (اسلامی تعلیم از مولانا عبد السلام بستوی)

آپ ﷺ جب سفر پر روانہ ہوتے تو سب سے آخر میں اس بیٹی سے مل کر رخصت ہوتے اور جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے ان ہی سے ملاقات فرماتے۔ (المرتضیٰ مصنفہ مولانا ابو الحسن علی ندوی)

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے، لہٰذا جو اسے ناراض کرے گا وہ مجھے ناراض کرے گا۔ (صحیح بخاری؛ صحیح مسلم)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنی بات چیت اور اندازِ گفتگو میں رسول اکرم ﷺ سے بہت زیادہ مشابہت رکھتی تھیں۔ (الاستیعاب)

ایک بار حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بیمار ہوئیں تو رسول اکرم ﷺ نے عیادت کے لیے تشریف لے گئے اور بیٹی سے خیریت دریافت فرمائی، بیٹی نے اپنی تنگدستی کا شکوہ کیا، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ "جان پدر! کیا تم اس بات پر خوش نہیں ہو کہ تم دنیا جہان کی تمام عورتوں کی سردار ہو، فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ ابا جان! تو پھر حضرت مریم علیہا السلام کا کیا بنے گا، کیونکہ یہ اعزاز تو ان کا ہے، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت مریم علیہا السلام اپنے زمانے کی خواتین کی سردار تھیں اور تم اپنے زمانے کی سردار ہو۔" (رحمۃ اللعالمین مصنفہ: قاضی سلیمان سلمان منصور پوری)

ایک موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "تمام دنیا کی عورتوں کی اقتداء کے لیے حضرت مریم علیہا السلام، حضرت آسیہ علیہا السلام، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کافی ہیں۔" (جامع ترمذی)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ آپ ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب کون تھے؟ تو انہوں نے کہا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا۔ (جامع ترمذی)

حضور نبی کریم ﷺ جیسے اپنی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا سے محبت فرماتے تھے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی اسی طرح اپنے والد ماجد آنحضرت ﷺ سے محبت کرتیں اور ان کی خدمت کرنے کو سعادت سمجھتیں۔

مشہور واقعہ ہے کہ مکہ میں آنحضرت ﷺ نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک بدبخت عقبہ بن ابی معیط کو شرارت سوجھی، اس نے آپ ﷺ کی گردن مبارک پر اونٹ کی اوجھڑی لا کر ڈال دی اور دشمن اس منظر کو دیکھ کر خوشی سے پھولے نہ سمارہے تھے، اتنے میں کسی نے بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو خبر کر دی، اگرچہ کہ وہ کم عمر بچی تھیں مگر جوشِ محبت میں فوراً آئیں اور اس اوجھڑی کو نکال پھینکا اور عقبہ کیلئے بد دعا فرمائی۔ (صحیح بخاری)

نبی ﷺ نے اپنے مرض الموت میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنے پاس بلایا اور ان کے کان میں کچھ فرمایا تو وہ رو پڑیں، پھر آپ ﷺ نے ان کے کان میں کچھ فرمایا، تو وہ ہنس دیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دریافت فرمایا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ یہ راز کی بات ہے۔ ابھی نہیں بتاؤں گی، آپ ﷺ کے وصال کے بعد فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ پہلے آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ میں اس مرض میں وفات پا جاؤں گا، تو یہ سن کر میں رونے لگی، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے اہل بیت میں سب سے پہلے تم ہی مجھ سے ملو گی تو میں یہ سن کر خوشی کے مارے ہنسنے لگی۔ (صحیح بخاری)

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے غزوہ تبوک سے واپس ہوئے اور حسب معمول مسجد میں نماز ادا کرنے کے بعد سب سے پہلے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے تو آپ ﷺ نے ان کے گھر کے دروازے پر ایک قیمتی پردہ ملاحظہ فرمایا، پتہ چلا کہ معمول سے ہٹ کر فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کچھ قیمتی لباس بھی زیب تن فرمایا ہے، آپ ﷺ فوراً وہاں سے واپس ہو گئے اور مسجد میں جا کر بیٹھ گئے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو معلوم ہوا کہ ابا جان میرے گھر کے دروازے سے پلٹ گئے ہیں تو وہ بہت پریشان ہو

ئیں اور فوراً حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا، پتہ چلا کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہانے گھر کا پردہ چاک کر دیا اور اپنا قیمتی لباس تبدیل کر کے سیدھا سادہ لباس زیب تن فرمایا ہے، تب آپ ﷺ اپنی بیٹی کے گھر میں تشریف لائے اور تکلفات سے بچ کر سیدھی سادھی زندگی بسر کرنے کی تلقین فرمائی۔ (صحیح بخاری)

اپنی بیٹی، داماد اور نواسوں سے بہت زیادہ محبت کے باوجود اللہ کے نبی ﷺ کو یہ بات پسند تھی کہ وہ پُر مشقت اور سادھی زندگی بسر کریں، کبھی مال و دولت کی تقسیم عمل میں آتی تو دوسرے لوگوں کو اہل بیت پر ترجیح دیتے، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ چکی پیستے پیستے فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے تھے، گھر میں جھاڑو دیتے دیتے کپڑے میلے ہو جاتے تھے اور چولہے کے پاس بیٹھ کر پکانے سے دھوئیں کی وجہ سے کپڑے سیاہ ہو جاتے تھے، انہیں دنوں میں حضور ﷺ نے کے پاس کچھ خادم آئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جاؤ اور کوئی خادمہ اپنے لیے بھی مانگ لاؤ تاکہ تم اس مشقت سے بچ جاؤ، یہ کہنے پر فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کے پاس پہنچیں مگر لوگوں کا اژدھام دیکھ کر واپس چلی آئیں، دوسرے دن حضور ﷺ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے اور آنے کی وجہ دریافت فرمائی؟

فاطمہ رضی اللہ عنہا چپ ہو گئیں، مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سارا حال سنایا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ

اللہ سے ڈرو اور اس کے فرائض ادا کرو اور اپنے گھر کے کاموں کو بجالاؤ اور جب بستر پر آرام کرنے کے لیے جاؤ تو 33 بار سبحان اللہ، 33 بار الحمد للہ اور 34 بار اللہ اکبر کہہ لیا کرو، یہ تمہارے لیے کسی خادم یا خادمہ سے بہتر ہے، آپ ﷺ نے انہیں کوئی خادم یا خادمہ نہیں دیا، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہانے فرمایا کہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر خوش ہوں۔ (صحیح بخاری؛ صحیح مسلم)

ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو سونے کا ہار دیا، اللہ کے رسول ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہانے اس کو بیچ کر ایک غلام خریدا اور راہ خدا میں آزاد کر دیا۔(سنن نسائی)

ایک سفر سے آپ ﷺ واپس تشریف لائے تو گھر کے دروازے پر آپ کے استقبال کے لیے لگایا گیا پردہ ملاحظہ فرمایا اور حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں میں چاندی کے کنگن، آپ ﷺ ناراض ہو کر واپس ہو گئے، فاطمہ رضی اللہ عنہا کو معلوم ہوا تو دروازے پر سے پردہ ہٹادیا اور بچوں کے ہاتھوں سے کنگن نکال دیئے، بچے روتے ہوئے آپ ﷺ کے پاس پہنچے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نہیں چاہتا کہ میرے اہل بیت زیورات سے آلودہ ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کے بدلے فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے کھجور کے پتوں سے بنا ہوا ہار اور ہاتھی دانت کے کنگن خرید لو۔(سنن ابو داؤد)

سرکار کائنات ﷺ نے اپنی چہیتی بیٹی کے رشتہ کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا انتخاب خالصۃً ان کی دینداری، زہد و ورع اور حسن اخلاق کے پیش نظر فرمایا، ورنہ مالدار صحابہ کرام کی کوئی کمی نہیں تھی، جو اس شرف سے مشرف ہونے کو اپنی سعادت مندی سمجھتے تھے۔

حضرت علیؓ کے پاس ایک زرہ، بھیڑ کی ایک کھال اور ایک پرانی چادر تھی اور یہی ان کی کل دنیوی پونجی تھی، چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کفالت بھی حضور ﷺ فرماتے تھے، اس کے لیے شادی کے بعد نیا گھر بسانے کے لیے چند چیزوں کی ضرورت تھی، اس لیے سرور دو عالم ﷺ نے اپنی بیٹی کے جہیز میں ایک چارپائی، کھجور کے پتوں سے بھرا ہوا چمڑے کا ایک گدا، مٹی کے دو گھڑے، ایک مشک اور دو چکیاں عطا فرمائیں۔ ان میں سے کوئی چیز بھی آرائش و زیبائش اور ڈیکوریشن کے لیے نہ تھی، بلکہ یہ ساری چیزیں گھریلو استعمال کی تھیں، جو زندگی بھر روزانہ استعمال میں آتی رہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس رہائش کے لیے کوئی امکان بھی نہیں تھا، شادی کے بعد ایک مکان کی ضرورت پیش آئی، صحابی رسول ﷺ حضرت حارثہ بن نعمان انصاری رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو انہوں نے اپنا ایک مکان ان کی خدمت میں پیش فرمادیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ و فاطمہ رضی اللہ عنہا اسی مکان میں رہنے لگے۔ (سیر الصحابیات)

میاں بیوی میں اختلاف کا پیدا ہو جانا کوئی تعجب خیز بات نہیں ہے، چنانچہ کبھی کبھار حضرت علی رضی اللہ عنہ اور فاطمہ رضی اللہ عنہا میں بھی کچھ رنجش پیدا ہو جاتی، حضور ﷺ کو پتہ چلتا تو آپ ﷺ بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ ان کے درمیان مصالحت فرما دیتے۔

حضور نبی کریم ﷺ کی وفات کے وقت آپ ﷺ کی اولاد میں صرف یہی ایک بقید حیات تھیں، اس لیے انہی کو آپ ﷺ کی جدائی کا زیادہ صدمہ ہوا۔ بلکہ آپ ﷺ کی تدفین کے بعد جب صحابہ کرام واپس تشریف لائے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے رنج و غم کے عالم میں کہا کہ

اے انس رضی اللہ عنہ کس طرح تم سے رسول اللہ ﷺ پر مٹی ڈالی گئی۔ (صحیح بخاری)

سنہ ولادت میں مختلف روایات وارد ہیں، جن کی وجہ سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عمر شریف کے

تعلق سے بھی مختلف آراء ہیں، مشہور روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ کی وفات کے صرف 6 ماہ بعد 29 سال کی عمر پا کر شنبہ (ہفتہ) کی شب 3/ رمضان المبارک سنہ 11 ہجری کو اس دنیا سے رحلت فرما گئیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

حضرت فاطمہ چونکہ شرم وحیاء کی پیکر تھیں، اس لیے انہیں کی وصیت کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو غسل دیا اور رات ہی میں تدفین عمل میں آئی۔ (الاستیعاب)

اور جنازہ کے اطراف چھوٹی چھوٹی لکڑیاں لگا کر اوپر چادر ڈالنے کا رواج بھی ان ہی کی فرمائش پر شروع ہوا تاکہ میت کا ڈیل ڈول ظاہر نہ ہو سکے۔ (اسد الغابہ)

آپ کے مدفن کے تعلق سے بھی اختلاف ہے، اکثر مؤرخین کا خیال ہے کہ آپ کی قبر مبارک جنت البقیع میں ہے۔ (خلاصتہ الوفاء)

آپ کی اولاد میں حضرت حسن، حضرت حسین، حضرت ام کلثوم، حضرت زینب محسن اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہم چھ نام ذکر کئے گئے ہیں مگر اول الذکر چار اسمائے گرامی مشہور عالم ہیں۔

آنحضرت ﷺ کی اولاد نرینہ تو بچپن ہی میں وفات پا گئی تھیں اور آپ کی صاحبزادیوں میں بھی اللہ تعالیٰ نے صرف حضرت فاطمہ کو یہ شرف واعزاز بخشا ہے کہ ان ہی سے آپ ﷺ کی نسل کا سلسلہ چہار دانگ عالم میں پھیل گیا۔

☆☆☆

حقیقت خرافات میں کھو گئی!

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو ضلالت وجہالت سے مبرا اور دلائل وبراہین سے آراستہ ہے، اسلام کے تمام احکام پایۂ تکمیل کو پہنچ چکے ہیں۔ اور اس دین مبین میں خرافات وبدعات کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ اب کوئی نام نہاد عالم دین، مفتی یا محدث ایسا نہیں جو اس دین مبین اور صاف و شفاف چشمے میں بدعات وخرافات کا زہر ملائے لیکن افسوس ہے کہ شیطان اور اس کے پیروکاروں نے اس دین صافی کو ضلالت و جہالت سے خلط ملط کرنے اور خرافات سے داغ دار کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

دیگر مہینوں کی طرح ماہِ صفر میں بھی کچھ جاہلانہ رسومات ادا کی جاتی ہیں۔ صفر کا مہینہ اسلامی مہینوں کی لڑی کا دوسرا موتی ہے۔ اس مہینے کے بارے غلط باتوں کو ختم کرنے کے لیے اسے 'صفر المظفر' کہا جاتا ہے۔

صفر کے متعلق قدیم خیالات

قبل از اسلام اہل جاہلیت ماہِ صفر کو منحوس خیال کرتے اور اس میں سفر کرنے کو برا سمجھتے تھے، اسی طرح دورِ جاہلیت میں ماہِ محرم میں جنگ و قتال کو حرام خیال کیا جاتا تھا اور یہ حرمتِ قتال ماہ صفر تک برقرار رہتی لیکن جب صفر کا مہینا شروع ہو جاتا، جنگ و جدال دوبارہ شروع ہو جاتے لہٰذا یہ مہینہ منحوس سمجھا جاتا تھا۔ عرب کے لوگ ماہ صفر کے بارے عجیب عجیب خیالات رکھتے تھے۔

شیخ علیم الدین سخاوی نے اپنی کتاب 'المشهور في أسماء الأيام والشهور' میں لکھا ہے:

"صفر کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس مہینے میں عموماً اُن کے (اہل عرب) گھر خالی رہتے تھے اور وہ لڑائی بھڑائی اور سفر میں چل دیتے تھے، جب مکان خالی ہو جاتے تو عرب کہتے تھے: صَفِرَ المَکَانُ "مکان خالی ہو گیا۔"

الغرض آج کے اس پڑھے لکھے معاشرے میں بھی عوام الناس ماہِ صفر کے بارے جہالت اور دین سے دوری کے سبب ایسے ایسے توہمات کا شکار ہیں جن کا دین اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ یہ اسی قدیم جاہلیت وجہالت کا نتیجہ ہے کہ متعدد صدیاں گزرنے کے باوجود آج بھی عوام الناس میں وہی زمانہ جاہلیت جیسی خرافات موجود ہیں۔

صفر کے متعلق جدید خیالات

برصغیر کے مسلمانوں کا ایک طبقہ صفر کے مہینے کو منحوس سمجھتا ہے۔ اس مہینے میں توہم پرست لوگ شادی کرنے کو نحوست کا باعث قرار دیتے ہیں۔ فی زمانہ لوگ اس مہینے سے بدشگونی لیتے ہیں اور اس کو خیر وبرکت سے خالی سمجھا جاتا ہے۔ اس میں کسی کام مثلاً کاروبار وغیرہ کی ابتدا نہیں کرتے، لڑکیوں کو رخصت نہیں کرتے۔ اس قسم کے اور بھی کئی کام ہیں جنہیں کرنے سے پرہیز کرتے ہیں۔ ان لوگوں کا اعتقاد ہوتا ہے کہ ہر وہ کام جو اس مہینے میں شروع کیا جاتا ہے وہ منحوس یعنی خیر وبرکت سے خالی ہوتا ہے۔

☆☆☆

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَرْجَعَتْهُ الطِّيَرَةُ عَنْ حَاجَتِهِ، فَقَدْ أَشْرَكَ ، قَالُوا: وَمَا كَفَّارَةُ ذَلِكَ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ يَقُولُ أَحَدُهُمْ:

«اللَّهُمَّ لَا طَيْرَ إِلَّا طَيْرُكَ، وَلَا خَيْرَ إِلَّا خَيْرُكَ، وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ»

"جس شخص کو بدشگونی اس کی حاجت (کو پورا کرنے) سے روک دے تو اس نے شرک کیا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا

: یارسول اللہ ﷺ! اس کا کفارہ کیا ہے؟

تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہ یہ دعا پڑھ لے:

«اللَّهُمَّ لَا طَيْرَ إِلَّا طَيْرُكَ، وَلَا خَيْرَ إِلَّا خَيْرُكَ، وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ»

" اے اللہ! تیری بدشگونی (جو کہ تیرے ہی حکم سے ہوتی ہے، اس) کے علاوہ کوئی بدشگونی نہیں ہے اور تیری بھلائی کے علاوہ کوئی بھلائی نہیں ہے اور تیرے علاوہ کوئی (سچا) معبود نہیں ہے۔"

(مسند احمد: 11/623؛ حدیث نمبر: 7045)



کتاب الصلاۃ: تشہد کے متعلق

حدیث نمبر: 116

عَنْ عَبْدِ اللهِ بنِ مَسْعُودٍ رضي الله عَنْه قَالَ : «عَلَّمَنِي رَسُولُ اللهِ ﷺ التَّشَهُّدَ ـــ كَفِّي بَيْنَ كَفَّيْهِ ـــ كَمَا يُعَلِّمُنِي السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ : التَّحِيَّاتُ لِلّهِ، وَالصَّلَوَاتُ، وَالطَّيِّبَاتُ، السَّلامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ، السَّلامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِينَ، أَشْهَدُ أَنْ لا إِلَهَ إِلاّ اللّـهُ، وَأَشْهَدُ أَنّ مُحَمّداً عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ».

126 ـــ وَفِي لَفْظٍ : «إِذَا قَعَدَ أَحَدُكُمْ للصَّلاةِ، فَلْيَقُلِ : التَّحِيّاتُ للهِ ـــ وَذَكَرَهُ، وَفِيهِ ـــ : فَإِنّكُمْ إِذَا فَعَلْتُمْ ذَلِكَ، فَقَدْ سَلّمْتُمْ عَلَى كُلّ عَبْدٍ صَالِحٍ فِي السّمَاءِ وَالأَرْضِ ـــ وَفِيهِ ـــ فَلْيَتَخَيّرْ مِنَ الْمَسْأَلَةِ مَا شَاءَ» (رواه البخاري، كتاب الاستئذان، باب الأخذ باليدين، برقم 6265، واللفظ له، وكتاب الأذان، باب التشهد في الآخرة:831، ومسلم، كتاب الصلاة، باب التشهد في الصلاة: 402. رواه البخاري، كتاب الدعوات، باب الدعاء في الصلاة، برقم 6328، وكتاب العمل في الصلاة، باب من سمى قوماً، أو سلم في الصلاة على غير مواجهة وهو لا يعلم: 1202، ومسلم، كتاب الصلاة، باب التشهد في الصلاة: 402)

حدیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا مجھے رسول اللہ ﷺ نے تشہد سکھلایا میری ہتھیلی آپکی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان تھی جیسے کہ آپ مجھے قرآن کی کوئی سورۃ سکھلا رہے ہیں۔"تمام قولی، بدنی اور مالی عبادتیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اے نبی ﷺ آپ پر سلامتی اللہ کی رحمت اور اسکی برکات نازل ہوں۔ سلامتی ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اسکے بندے اور رسول ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی نماز کے لیے بیٹھے تو وہ التحیات للہ آخر تک کہے۔اس روایت میں ہے جب تم اسطرح کروگے تو تم نے ارض وسماء کے ہر نیک بندے کے لیے سلامتی کی دعا کر دی اور اس روایت میں ھے اسکے بعد نمازی جو دل پسند کرے دعا کرے۔

حدیث مبارکہ کے بعض الفاظ کے معانی:

1 - علَّمَنِيْ :اس نے مجھے سکھایا۔

2 - كَفِّي :میری ہتھیلی 3 - بَيْنَ : درمیان۔

4 - كَمَا يُعَلِّمُنِيْ :جیسے آپ مجھے سکھاتے ہیں۔

5 - التَّحِيّاتُ :تمام قولی عبادتیں۔

6 - الصَّلَوَاتُ :تمام بدنی عبادتیں۔

7 - الطَّيِّبَاتُ :تمام مالی عبادتیں۔

8 - اَشْهَدُ :میں گواہی دیتا ہوں۔

9 - اِذَا قَعَدَ :جب بیٹھے۔

10 -فَلْيَتَخَيَّرْ : پس چاہیے کہ وہ اختیار/پسند کرے۔ 11 - مَا شَاءَ :جو چاہے۔یعنی دعا۔

حدیث مبارکہ سے حاصل ہونے والے بعض مسائل اور احکام:

1۔استاذ کو چاہیے کہ ضروری چیز بغیر مطالبے کے بھی شاگرد کو سکھائے جیسے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے سکھایا۔

2۔استاذ کو رحیم وشفیق ہونا چاہیے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لیا یہ آپکی شفقت، محبت اور رحمت تھی۔ بعض لوگوں نے اس حدیث سے مصافحہ دو ہاتھوں سے کرنے پر استدلال کرتے ہیں جو کہ درست نہیں ہے بلکہ جہالت ہے کیونکہ یہ مصافحہ ہے ہی نہیں بلکہ تعلیم کے وقت استاذ کی شاگرد کے ساتھ محبت وشفقت ہے اور مزید یہ کہ اس حدیث مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ کے دو ہاتھ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ایک ہاتھ تھا اور اگر ادب کو دیکھا جائے تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے دو اور نبی کریم ﷺ کا ایک ہاتھ ہونا چاہیے مگر یہاں نہ ہی مصافحہ کا مسئلہ ہے اور نہ ادب واحترام کا بلکہ یہاں استاذ کی شفقت محبت اور رحمت ہے۔واللہ اعلم بالصواب۔

3۔روایات میں مروی صیغۂ امر سے معلوم ہوتا ہے کہ تشہد کا پڑھنا ضروری ہے بلکہ دار قطنی کی روایت میں وضاحت ہے، سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ تشہد فرض ہونے سے پہلے ہمیں معلوم نہیں تھا کہ اس میں کیا پڑھا جاتا ہے۔ (سنن الدار قطنی: 350/1) اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ تشہد پڑھنا فرض ہے۔ اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ تشہد کی مقدار کے برابر بیٹھنا ضروری ہے اس کو پڑھنا ضروری نہیں ہے۔

4۔ تین اور چار رکعت والی نماز میں تشہد دو مرتبہ اور دو رکعت والی نماز میں ایک مرتبہ تشہد پڑھا جاتا ہے۔ اور محدثین کرام درود اور دعائیں آخری تشہد کے باب میں لیکر آئے ہیں جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ بھی اس کو باب التشھد فی الآخرۃ یعنی آخری قعدہ میں تشہد پڑھنا میں بیان کیا اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے سات مختلف مقامات پر بیان کیا ہے۔ اور یہ امام بخاری رحمہ اللہ کی عظیم فقاہت کی دلیل ہے۔

5۔التحیات پڑھنے کے بعد سلام پھیرنے سے پہلے مسنون دعاؤں میں سے کسی کو بھی اختیار کیا جاسکتا ہے مسنون دعائیں جامع ہوتی ہیں اپنی دعاؤں میں وہ جامعیت نہیں ہو سکتی ہے کیونکہ جوامع الکلم نبی کریم

کے معجزات میں سے ہے۔

6۔نبی کریم ﷺ حدیث کی تعلیم بھی بڑے اہتمام سے کیا کرتے تھے جیسے قرآن مجید کی تعلیم جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے تشہد ایسے سکھائی جیسے قرآن مجید کی سورت سکھاتے۔

7۔جس طرح قرآن مجید دین ہے بلکل اسی طرح صحیح حدیث بھی دین اور دونوں کی تعلیم خود رسول کریم ﷺ نے دی ہے۔

8۔عبادات تین طرح کی ہیں قولی جیسے دعا و ذکر وغیرہ، بدنی جیسے نماز روزہ حج وعمرہ وغیرہ اور مالی جیسے صدقہ وغیرہ

کتاب الصلاۃ۔ نماز میں رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام کے متعلق

حدیث نمبر:117

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى قَالَ : «لَقِيَنِي كَعْبُ بْنُ عُجْرَةَ، فَقَالَ : أَلَا أُهْدِي لَكَ هَدِيَّةً؟ إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ عَلَيْنَا، فَقُلْنَا : يَا رَسُولَ اللهِ، قَدْ عَلِمْنَا كَيْفَ نُسَلِّم عَلَيْكَ، فَكَيْفَ نُصَلِّي عَلَيْكَ؟ فَقَالَ : قُولُوا : «اللّهُمّ صَلِّ عَلَى مُحَمّدٍ، وَعَلَى آلِ مُحَمّدٍ، كَمَا صَلّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ، وعلى آل إبراهيم، إِنّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ، وَبَارِكْ عَلَى مُحَمّدٍ، وَعَلَى آلِ مُحَمّدٍ، كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ، وَعَلَى آلِ إِبرَاهِيمَ، إِنّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ». (رواه البخاري، كتاب الأنبياء، باب، برقم 3370، واللفظ له، وفي كتاب الدعوات، باب الصلاة على النبي ﷺ، برقم 6357، ومسلم، كتاب الصلاة، باب الصلاة على النبي بعد التشهد، برقم 406)

حدیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ:

حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلی سے روایت ہے فرمایا مجھے کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ ملے تو اس نے کہا کیا میں تجھے تحفہ نہ دوں؟ نبی کریم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے ہم نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ ہم تو یہ جانتے ہیں کہ آپکو سلام کیسے کہیں لیکن ہم آپ پر درود کیسے بھیجیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم اسطرح کہو۔اے اللہ محمد ﷺ اور آل محمد ﷺ پر رحمت نازل فرما جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آل ابراہیم علیہ السلام پر رحمت نازل کی تھی بے شک تو قابل تعریف اور بزرگی والا ہے اے اللہ محمد ﷺ اور آل محمد ﷺ پر برکت نازل فرما جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آل ابراہیم علیہ السلام پر برکت نازل کی تھی بے شک تو قابل تعریف اور بزرگی والا ہے۔

حدیث مبارکہ کے بعض الفاظ کے معانی

1 - لَقِيَنِيْ :وہ مجھے ملا۔

2 - أُهْدِيَ لَكَ: تجھے تحفہ دوں۔

3 - خَرَجَ عَلَيْنَا: ہمارے پاس تشریف لائے۔

4 - عَلِمْنَا: ہمیں معلوم ہے۔

5 - كَيْفَ نُسَلِّمُ عَلَيْكَ؟: ہم آپ پر کیسے سلام بھیجیں؟

6 - كَيْفَ نُصَلِّي عَلَيْكَ؟: ہم آپ پر کیسے صلاۃ / درود بھیجیں؟

7 - اَللّٰهُمَّ: الہی۔

8 - صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ: محمد ﷺ پر رحمت نازل کر۔

9 - بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ: محمد ﷺ پر برکت نازل کر۔

10 - حَمِيدُ : قابل ستائش وتعریف۔

11 - مَجِيدُ: بزرگی والا۔

حدیث مبارکہ سے حاصل ہونے والے بعض مسائل اور احکام:

1۔علم کی بات بھی تحفہ ہوتی بلکہ یہ قیمتی تحفہ ہے جس کا فائدہ دیناو آخرت دونوں میں ہے۔

2۔جس بات کا علم نہ ہو وہ کسی ایسے شخص سے پوچھنا جس کو علم جیسا کہ اس حدیث مبارکہ میں ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کہا کہ ہم سلام تو جانتے ہیں یعنی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ وغیرہ کہنا مگر صلاۃ جس کا سلام کے ساتھ حکم ہے وہ ہمیں معلوم نہیں ہے پھر نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کو بتایا کہ صلاۃ علی النبی کیا ہے۔

3۔صلاۃ رحمت اور سلام سلامتی اور حفاظت کے معنی میں آتے ہیں اور اس کی ضرورت مخلوق میں سے ہر ایک کو ہے حتی کہ سید البشر محمد رسول اللہ ﷺ کو بھی۔جیسا کہ ایک دوسری صحیح حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی شخص اپنے عمل کے بدلے جنت نہیں جائے گا بلکہ اللہ کی رحمت سے جائے گا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پوچھا کہ کیا آپ اے اللہ کے رسول ﷺ بھی تو آپ نے فرمایاہاں میں بھی اللہ کی رحمت کے بغیر جنت میں نہیں جاؤں گا۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ بندہ عمل صالح چھوڑ دے بلکہ اعمال صالحہ ذریعہ ہیں اللہ کی رحمت پانے کے۔

4۔درود وسلام دونوں دعائیں ہیں جو کہ مومن کا عمل ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ سے درخواست ہوتی ہے کہ اے اللہ رسول اللہ ﷺ پر رحمت فرما جیسے تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر رحمت فرمائی اور اسی طرح یہی دعا آل محمد ﷺ کے لیے بھی ہے اور آل سے مراد آپ کی بیویاں اور ساری اولاد اور حضرت علی حسن و حسین رضی اللہ عنہم اور سارے آپ کے متقی مومن امتی شامل ہیں۔

5۔اہل ایمان کے لیے رسول کریم ﷺ کی ذات اقدس پر درود وسلام بھیجنا یعنی آپ کے لیے یہ دعا کرنا واجب ہے۔

6۔تشہد میں درود ابراہیمی پڑھنا بعض اہل علم کے نزدیک رکن بعض کے نزدیک واجب اور بعض کے نزدیک سنت ہے۔واللہ اعلم بالصواب

7۔نبی کریم ﷺ کا اہل ایمان پر حق ہے کہ وہ آپ پر درود و سلام بھیجیں یعنی آپ کے لیے سلامتی و رحمت کی دعا کریں۔

8۔نبی کریم ﷺ کے ساتھ محبت کا تقاضا ہے کہ آپکا نام سنتے ہی ہر امتی کی زبان پر درود وسلام کے الفاظ جاری ہو جائیں۔البتہ اونچا پڑھنا ضروری نہیں ہے جیسے بعض واعظین سامعین سے کرواتے ہیں۔

9۔عمومی حالات میں درود وسلام کے کوئی بھی الفاظ کہے جاسکتے ہیں مثلا اللھم صل وسلم علی محمد وآل محمد۔یا ﷺ۔وغیرہ۔



سوالات کے جوابات

ڈاکٹر صہیب حسن (لندن)

قبروں میں مُردہ اجسام کی کیمیائی طور پر تحلیل کا حکم

سوال: انگلینڈ میں موسم عموماً سرد رہتا ہے اور موسم کی تبدیلی کی وجہ سے ہوا میں نمی کا عنصر زیادہ ہو جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ہم میت کو کفن میں یا تابوت میں بھی دفن کرتے رہیں تو ان کے جسم کے ٹوٹنے کا عمل (یعنی تحلیل جسم) کا عرصہ بڑھتا چلا جائے گا۔ میرے شہر شیفیلڈ میں اس وقت سولہ قبرستان ہیں جو 359 ایکٹر زمین پر پھیلے ہوئے ہیں اور اندازہ ہے کہ اگلے دس سال میں وہ قبروں سے بھر جائیں گے، ہمارے شہر کی آبادی کوئی پانچ لاکھ نفوس پر مشتمل ہے، جنہیں ساٹھ ہزار مسلمانوں کی تعداد ہے، یعنی اگلی صدی میں ہمیں اپنے مُردوں کو دفنانے کے لئے نئی جگہوں کی ضرورت ہو گی اور یہ صورت بار بار پیدا ہوتی رہے گی، یہاں تک کہ اس کا کوئی حل تلاش کر لیا جائے۔

میرا سوال یہ کہ ہماری معلومات کے مطابق ایسے کیمیائی مرکبات موجود ہیں کہ جنہیں اگر قبر کی مٹی سے ملا دیا جائے تو مردہ اجسام کی تحلیل کا ہونا تیزی سے شروع ہو جائے گا اور اسی طرح ہم اُسی زمین کو بار بار استعمال کرنے پر قادر رہیں گے اور ہمیں نہ ہی نئی زمینوں کی تلاشی رہے گی اور نہ ہی دفنانے کی فیس بڑھانا پڑے گی تو کیا ایسی صورت میں کیمیائی مرکبات کا استعمال کیا جاسکتا ہے؟

جواب: بنیادی بات تو یہ ہے کہ میت کے جسم کے ساتھ ایسا کچھ نہ کیا جائے کہ وہ جلد سے جلد تلف ہو جائے، چاہے وہ اس طریقے سے ہو کہ مردہ جسم کے اوپر سی کوئی مادہ رکھ دیا جائے یا مٹی میں اسے ملا دیا جائے تا کہ ان کی جلد سے جلد تحلیل ہو سکے اور اس ضمن میں قبرستانوں کے لئے نئی جگہوں کا حصول بقدر امکان ضروری ہو گا۔ لیکن اس کے باوجود اگر صورتحال ایسی ہی ہو جیسا کہ سوال میں بتائی گئی ہے یعنی نئی اراضی کا حصول ناممکن ہو تو ہم امید رکھتے ہیں کہ ضرورت کی بنا پر ایسے کیمیائی مرکبات کا استعمال ناجائز نہ ہو گا، شافعی مذہب کے مطابق میت کو خشک رکھنے کی زیادہ سے زیادہ کوشش کرنی چاہئے تا کہ اس کا کفن جلد بھیگنے سے بچ جائے اور اس کے جلد بگڑ جانے کے امکانات کم سے کم ہوتے چلے جائیں اور اس قول کا مطلب یہ ہوا کہ میت کے جسم کے ساتھ کوئی ایسا معاملہ نہ کیا جائے کہ جس کی بنا پر اس کا جسم جلدی سے تحلیل ہونا شروع ہو جائے۔

المنہج میں زکریا الانصاری نے یہی بات لکھی ہے:

"ينشف تنشيفا بليغا لئلا تبتل أكفانه فيسرع إليه الفساد."

”میت کے جسم کو خوب خشک کیا جائے تا کہ اس کا کفن بھیگ نہ جائے، جس کی بنا پر وہ بگڑتا چلا جائے۔“

سلیمان بن عمر (جو جمل کے لقب سے معروف ہیں) اس عبارت پر لکھتے ہیں:

اس سے یہ معلوم ہوا کہ جو زمین بالکل بوسیدہ نہ ہو یا تیزی سے بوسیدہ نہ ہوتی ہو وہ افضل ہے، اور وہ اس لئے کہ شریعت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ بوسیدگی کا عمل تیزی سے نہ ہو تا کہ روح کا جتنی دیر بدن باقی رہے گا۔ نعمتوں سے فیضیاب ہونے میں زیادہ کامل رہے گی۔“ (فتویٰ یورپین کونسل برائے فتویٰ اور تحقیق)

دودھ بنک سے استفادے کا حکم

سوال: ایک صاحب نے سوال کیا ہے کہ ان کی ایک رشتے دار خاتون نے بچے کو جنم دیا ہے جو انتہائی کمزور حالت میں ہے، ماں خود سے دودھ پلانے پر قادر نہیں ہے۔ ڈاکٹروں نے مشورہ دیا ہے کہ بچے کو فوری طور پر دودھ کی سخت ضرورت ہے، جو کہ دودھ بنک سے دستیاب ہے، تو اس خاتون کا سوال ہے کہ آیا وہ اپنے بچے کو یہ دودھ پلا سکتی ہے؟

جواب: یہ سوال چند سال قبل کونسل کے اجلاس میں زیر بحث لایا جا چکا ہے، کہ آیا بلاد مغرب میں وہ نومولود جو ناقص الخلق پیدا ہوئے ہوں یا ولادت کے وقت اتنے کم وزن کے ہوں کہ جن کے بقا کے لئے سوائے دودھ بنک کے اور کوئی دودھ مفید نہ ہو تو کیا وہ ان بنکوں سے استفادہ کر سکتے ہیں جو بلاد مغرب میں کثرت سے موجود ہیں، تو اسی سلسلے میں پہلے تو عالمی اسلامی فقہ اکیڈمی کی قرارداد نمبر 6 (2:6) کی طرف رجوع کیا گیا کہ جس میں یہ کہا گیا تھا کہ اسلامی ملکوں میں ایسے بنکوں کا قائم کرنا حرمت بسبب رضاعت کا باعث ہو گا، اس لیے اس سے بچا جائے، لیکن کونسل نے دودھ بنک کے بارے میں چند فنی اور شرعی محققانہ رپورٹس کا بنظر غائر مطالعہ کیا اور وہ اس نتیجہ پر پہنچی کہ

1۔ بلاد مغرب میں قائم شدہ بنوک کی حیثیت وہ نہیں ہے جو کہ اسلامی ممالک میں پائی جاتی ہے کہ جہاں ایسی خواتین موجود ہیں جو بچوں کو گود لینے یا انہیں اپنا دودھ پلانے پر آمادہ رہتی ہیں، اس لیے یہاں وہ حکم لاگو نہیں ہو گا جو کہ عالمی اسلامی فقہ اکیڈمی نے منظور

کیا ہے، اس لیے کونسل کے نزدیک ایسے بنکوں سے حاجت کے وقت استفادہ کرنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے۔

2۔ رضاعت کی بنا پر اس دودھ سے حرمت ثابت نہیں ہوتی اور وہ اس لئے کہ یہاں کئی باتیں مجہول ہیں ، یعنی کہ بچے نے کتنی دفعہ دودھ پیا اور یہ کہ دودھ بہت ساری خواتین کی طرف سے عطیہ کیے جانے کی بنا پر مخلط دودھ کے حکم میں تھا اور یہ کہ جن خواتین نے اپنا دودھ عطیہ کیا تھا، ان کا تشخص قانونی طور پر مجہول رکھا گیا ہے یعنی قانون اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ ایسی خواتین کا نام و پتہ کسی کو دیا جائے اور یہ کہ ان خواتین کی تعداد اچھی خاصی ہے کہ ان کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔

اور یہاں فقہاء کی اس بات سے بھی تائید حاصل ہوتی ہے کہ اگر کوئی بچہ کسی گاؤں کی ایک مجہول عورت سے دودھ پیتا ہے تو اس عورت کے غیر معلوم ہونے کی بنا پر حرمت ثابت نہ ہوگی اور پھر یہ بات بھی نظر سے اوجھل نہ ہو کہ مندرجہ بالا صورت میں دودھ بہت ساری خواتین کے عطیہ کردہ دودھ کا مرکب ہے اور اس میں اس بات کا تعین نہیں کیا جاسکتا کہ کس کا دودھ زیادہ ہے اور کس کا کم۔"

اور حاصل بحث یہ ہے کہ

یہ خاتون شدید حاجت کی بنا پر دودھ بنک سے استفادہ کر سکتی ہے۔ واللہ اعلم

وہ ادویہ جن کا استعمال حلال و حرام دونوں طرح سے ہو سکتا ہو

سوال : میں یورپ کے ایک ملک میں رہائش رکھتا ہوں اور ایک ایسی کمپنی میں دو غیر مسلم حضرات کے ساتھ شراکت رکھتا ہوں جو دواؤں اور طبی مرکبات کی تجارت کرتی ہے، ہم اب ایک یورپین میڈیکل کمپنی کا ایجنٹ بننا چاہتے ہیں جو ایسے انجکشن تیار کرتی ہے جو چہرے اور گھٹنوں کے جوڑوں کی سختی دور کرنے کے لئے دیئے جاتے ہیں جیسے فیلر کا انجکشن (ہیالوبرونیک ایسڈ)۔

اب یہ انجیکشن خاص طور پر چہرے کے بگاڑ کو بسبب مرض دور کرنے کے لئے بھی ہو سکتا ہے اور صرف چہرے کی خوبصورتی کے لئے بھی استعمال کیا جا سکتا ہے جیسے ہونٹوں کو موٹا کرنا یا آنکھ کے زیریں حلقہ کو بھرنا یا چہرے پر سرخی کا نمایاں کرنا ، تو کیا ایسے انجیکشن کا بیچنا یا بطور ایجنٹ اس کا سپلائی کرنا جائز ہو گا۔

جواب: یہ مسئلہ اس نوعیت کا ہے کہ

ایک چیز حلال اور حرام دونوں طریقوں سے استعمال ہو سکتی ہے۔ ب

نیادی اصول یہ ہے کہ جو چیز اپنی اصل کے اعتبار سے جائز ہو، اس کی بیع و شراء جائز ہے، ایک دفعہ بائع نے اسے بیچ دیا تو اب اس کے استعمال کی ذمہ داری مشتری کی طرف منتقل ہو جاتی ہے، اگر وہ اسے حرام میں استعمال کرے گا تو گناہگار ہو گا۔

یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ کیا یہ گناہ کے کاموں میں تعاون کرنے کی طرح نہیں ہے؟ اور اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ (سورۃ المائدۃ : 2)

اور نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو، لیکن گناہ اور زیادتی کے کاموں میں بالکل تعاون نہ کرو۔"

چنانچہ اس آیت کو زیر نظر رکھتے ہوئے اس بات کا خیال رکھا جائے کہ اگر بائع کو اس بات کا یقین ہو یا غلبہ ظن ہو کہ مشتری اس چیز کو کسی حرام مقصد کی خاطر استعمال کرے گا تو وہ ایسے شخص کے ہاتھ اس چیز کو فروخت نہ کرے، یہ ایسے ہی ہے کہ فتنہ اور دنگا فساد کے موقع پر چھری چاقو فروخت کرنے والے کے لئے احتیاط لازم ہے کہ ایسے آدمی کو یہ آلات فروخت نہ کرے کہ جس بارے میں غالب گمان ہو کہ وہ اسے ناحق خون بہانے کے لئے استعمال کرے گا اور اگر ایسا کرے گا تو یقیناً ایسا شخص گناہ اور زیادتی کے کاموں میں تعاون کرنے کا مجرم قرار پائے گا۔

(فتوی یورپین کونسل برائے فتاوی اور ریسرچ)

☆☆☆

ماہ صفر اور نحوست

ماہ صفر اسلامی سال کا دوسرا قمری مہینہ ہے۔ صفر کے لغوی معنیٰ 'خالی ہونے کے ہیں۔'

عرب محرم کے مہینے کا احترام کرتے ہوئے اس میں قتال وغیرہ سے باز رہتے تھے لیکن ماہِ صفر کے شروع ہوتے ہی وہ قتال وجدال کے لیے نکل کھڑے ہوتے تھے اور گھروں کو خالی چھوڑ دیتے تھے اس لیے اس کا مہینے کا نام صفر پڑ گیا۔ صفر کے میں نحوست کے عقیدے کی کوئی حیثیت نہیں۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"کوئی بیماری متعدی نہیں ہوتی، بدشگونی لینا جائز نہیں۔"

قرآن وحدیث میں کہیں بھی ماہِ صفر میں کسی نیک عمل کو فضیلت کے ساتھ خاص نہیں کیا گیا، لہٰذا جو مسنون اعمال عام دنوں میں کیے جاتے ہیں، وہ اس ماہ میں بھی کیے جا سکتے ہیں ماہ محرم کو منحوس سمجھ کر اس میں شادیاں نہ کرنا، اس ماہ کی آخری بدھ کو جلوس نکالنا اور بڑی بڑی محافل منعقد کر کے خاص قسم کے کھانے اور حلوے تقسیم کرنا اور اسی طرح کی دیگر رسم ورواج کا تعلق بدعت سے ہے کیوں کہ اس کا قرآن وسنت میں کوئی ثبوت نہیں ہے۔

☆☆☆



علاوہ ازیں ایں است کہ بخشیدن ثوا ب اعما ل اگر چہ درست است لیکن مور ث، شر ک است ۔ بسبب ایں کہ عوا م الناس فر ق نمے کنند درینکہ ثوا ب عبادات بہ بز ر گاں مے بخشیم یا خود عبادت برا ئے تقر ب بز ر گان و ر ضا ایشا ں مے کنیم ۔ آ خر عبادات بنا م غیر اللہ مے کنند و شر ک مے شو ند پس دریں زمان کہ کثر ت اعما ل شر ک است خوا ص را با ید کہ ازیں چنیں اعما ل تغا فل و چشم پوشی نما یند ، تا در شر ک بستہ شود و ثا بت است کہ بخشیدن ضرور نیست و اگر گماں فا ئدہ است نیز بسیار قلیل چہ ضرور است کہ بار تکا ب مثا ل ایں امور در شر ک بکشا یند و بگماں فا ئدہ قلیل ہزار ہا مو من را راہ جہنم بہ نما ئندہ۔

از دیدن قبور مو ت خود بیاد مے آ ید و دنیا سرا ب مے نما ید ۔ باین ہمہ جنا ب رسا لت مآ ب ﷺ

اولاً ہمہ کساں را منع فر مود کہ کسے -- قرر نہ بیند و پیشش نز د و بجہت ایں کہ مر د ماں تعظیما ت قبور از حد زیادہ بجا مے آ ورند چو ں ایام جا ہلیت رفت و مر د ماں مو حدا ں شد ند و تعظیما ت قبور موقوف کر دند ، مر د ماں را دید ن قبور ا جازت مثلاً زنان را ہنوز منع است کہ زنا ن نا قص العقل مے شو ند ضرور با لضرور خلاف شر ع یا نو حہ خواہند کر د بحق زن نو حہ کنندہ در دو ز خ و عید عذا ب آخر ت وارد شدہ است۔ و اگر شخصے را منظور با شد کہ فا ئدہ از ما با نبیاء و اولیاء و پیراں و مجتہداں یا ما در و پدر بر سد ، طر یقش ازیں بہتر نیست کہ محض خالصاً للہ اعما ل خیر و عبا دا ت ادا نما ید ، بد ل و جا ن مطیع فر ما ن الہی گر دد و ثوا ب عبادات بکسے نہ بخشد بلکہ خود ہم نخوا ہد بد ل این قدر داد کہ ما برا ئے ر ضا مندی و خوشنو دی ما لک خود ایں کار کردہ ایم ۔ و مزدور کار نداریم بلکہ ر حمت و عنا ئیتش برا ئے بخشا ئش ما یاں کفا یت مے کند چنا نچہ خوا جہ حا فظ مے فر ما ید

تو بند گی چو گدا یاں بشر ط مزد مکن کہ خوا جہ خود رو ش بندہ پروری دا ند

خدائے تعا لی ایں مو من را اجر بسیار خوا ہد داد و نیزبزوی الحقو قشثوا ب خوا ہد رسا نید کہ با حا دیث صحیحہ آ مدہ است کہ ثوا ب اعما ل اولاد بہ آ باء و اجداد بغیر از بخشید ن مے رسد و ثوا ب عا مل نیز کم نمے شود و بہمیں طور ثوا ب اعما ل شا گر داں باستاداں علم ظا ہری یعنی علماء و مجتہدین و استادان علم با طنی یعنی پیرا ن طریقت برسد مناسب است کہ آ دم مطیع پرور د گار شود و چو ن خدا ئے تعا لی ازیں بندہ را ضی خوا ہد شد و مقبو ل بار گاہ خوا ہد کر د از احوا ل ذو الحقو ق ایں بندہ کہ دلش برا ئے بخشا ئش وے متعلق است ، غفلت کلی نخوا ہد کرد ۔

فصل چہارم: سمجھنا چاہیے کہ جو بزر گی اور تعظیم حق تعا لی کے واسطے مقرر کی ہے اسے عبادت کہتے ہیں اگر یہ تعظیم شرع نے مقرر کی ہے، اور اگر کسی اور جماعت نے مقرر کی ہے تو اس کا ملحق بعبادت نام رکھتے ہیں۔ پس جو تعظیم کہ خاص خدا تعالی کے واسطے بجالانی ہیں وہ مخلوق کو کرنی نہ چاہیے کیونکہ فرماتے ہیں: ﴿ولا تجعلوا للّٰہ أنداداً وّ انتم تعلمون﴾ یعنی خدا تعالیٰ کیلئے کسی کام میں ہمسر نہ بناؤ باوجودیکہ تم جانتے ہو کہ خدا کا کوئی ہمسر نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اے لوگو! تم اگر چہ اپنے عقیدہ میں خدا کے مرتبہ کے برابر کسی اور کو نہیں جانتے ہو لیکن تعظیم و بزرگی اس کے برابر اوروں کی بھی کرتے ہو۔ آدمؑ سے لے کر اس وقت تک کوئی کافر ایسا پیدا نہیں ہوا جس نے دو خدا کہے ہوں یا اپنے علم و اعتقاد میں کسی مخلوق کو خدا کے برابر مرتبہ میں جانا ہو، مگر اس قدر جانتے تھے کہ بزرگوں کی تقریب کی وجہ سے خدا کے کارخانہ میں کچھ دخل ہے اور کثرت ریاضت کی وجہ سے خدا کی صفات میں سے کچھ کچھ ان میں بھی پیدا ہو گئی ہیں۔ مثلاً خدا تعالیٰ اگر بیشمار آدمی پیدا کر سکتا ہے تو یہ بزرگ اگر چاہیں تو ایک دو آدمیوں کو فرزند بخش سکتے ہیں اور اگر خدا تعالی سارے جہان کو عذاب و قہر میں مبتلا کر سکتا ہے، تو یہ بزرگ اس شخص کو جو ان کی خدمت میں بے ادبی کرے بالضرور کوئی نہ کوئی ضرر پہنچا سکتے ہیں۔ چونکہ آدمیوں کے اعتقاد میں یہ فاسد خیال خوب مستحکم اور مضبوط ہو گیا ہے اسی وجہ سے وہ بزرگوں کی بزرگیاں حد سے زیادہ بجالاتے ہیں اور ان کی رضامندی حاصل کرنے میں بے حد کوشش کیا کرتے ہیں، بس اسی کو شرک باللہ کہتے ہیں جس کو قرآن نے ﴿إنّ اللّٰہ لا یغفر أن یّشرك بہ و یغفر ما دون ذلك﴾ (جو شخص خدا کے ساتھ شریک کرتا ہے خدا اس کی بخشش نہیں کرتا اور اس کے علاوہ جسے چاہے بخش دیتا ہے)، پس جو شخص خدا کی بزرگی میں اوروں کو شریک کرے، اسے افسوس کے ہاتھ سے سر پیٹنا اور اخروی نجات کی امید دل سے نکال دینی چاہیے۔ شرع میں جو بزرگیاں کہ خدا کیلئے ہیں یعنی عبادات، ہر چند کہ بے شمار ہیں، مگر میں ان میں سے دو چار بیان کرتا ہوں تا کہ دیگر کو ان پر قیاس کر لیں۔

منجملہ ان کے نماز کے ارکان ہیں جو دوسروں کیلئے کرنے نہ چاہئیں۔ مثلاً جو شخص خدا کے علاوہ دوسرے کو سجدہ کرے گا، کافر ہو گا، کیونکہ فرماتے ہیں: ﴿واسجدوا للّٰہ الّذی خلقھنّ إن کنتم ایّاہ تعبدون﴾ (یعنی خدا ہی کو سجدہ کرو جس نے تمام چیزوں کو پیدا کیا اگر تم خدا ہی کی عبادت کرتے ہو) اور فرمایا: ﴿و ارکعوا مع الرا کعین﴾ (یعنی رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو)۔ بس جس نے غیر خدا کے سامنے رکوع کیا، یعنی رکوع کی طرح تعظیم کی غرض سے قد کو خم کیا وہ ضرور شرک کے گڑھے میں پڑا۔ اور فرمایا: ﴿وقوموا للّٰہ قانتین﴾ (اور کھڑے رہو خدا کے فرمانبردار) پس کسی کے سامنے ہاتھ باندھ کر پاؤں کے بل باادب کھڑا ہونا شرک ہے اور فرمایا: ﴿وحیث ما کنتم فولّوا وجوھکم شطرہ﴾ (جہاں

کہیں تم ہو تو اپنے مونہوں کو خانہ کعبہ کی طرف پھرو)۔ پس عبادت کے واسطے بیت اللہ کے علاوہ بزرگوں کی قبر کی طرف تعظیماً متوجہ ہونا شرک ہے۔

اسی طرح غیر خدا سے دعا مانگنا بھی شرک ہے جیسا کہ ارشاد ہوا: ﴿و من أضلّ ممّن يدعوا من دون اللّه من لا يستجيب له إلى يوم القيا مة و هم عن دعا ئهم غافلون﴾ (احقاف) (یعنی کون گمراہ زیادہ ہے اس شخص سے کہ خدا کو چھوڑ کر ایسے شخص سے دعا مانگتا ہے جو قیامت تک اس کی دعا قبول نہ کرے گا۔ طرہ یہ کہ وہ ان کی دعا سے محض بے خبر ہیں)۔ مطلب یہ ہے کہ اس قوم سے زیادہ تر گمراہ کوئی قوم نہیں ہے جو اموات یا کسی اور کو خدا کے سوا ندا کرتے ہیں، وہ ان گمراہوں کو ہرگز جواب نہیں دیتے۔ وہ لوگ جانتے ہیں کہ وہ سن رہے ہیں حالانکہ وہ ان گمراہوں کی دعا مانگنے اور فریاد مچانے سے محض بے خبر ہیں۔

جو آدمی کہ یارسول اللہ اور یا علی اور یا غوث الاعظم اور یا حسین اور یا فاطمہ اور اے خواجہ اور اے پیر، کہا کرتے ہیں وہ اپنے احوال کا اس آیت کریمہ کے ساتھ موازنہ کرسکتے ہیں: ﴿إنك لا تسمع الموتى ولا تسمع الصّمّ الدّعا﴾ (یعنی اے محمد! تم مردے کو سنا سکتے ہو نہ بہرے کو)۔ یعنی سننے کے حق میں مردہ اور بہرہ برابر ہیں: ﴿و ما أنت بمسمع من فى القبور﴾ (اور نہ تم ان لوگوں کو سنا سکتے ہو جو قبروں میں ہیں)۔ اسی طرح قرآن محض خدا کے واسطے پڑھنا عبادت ہے اور غیر خدا کی رضامندی اور تقرب کے واسطے پڑھنا شرک ہے۔ روزہ جو بڑی عبادتوں میں سے ہے، اگر غیر خدا کے واسطے رکھیں خواہ سارا روزہ یا آدھا، کافر مطلق ہوں گے۔

اسی طرح حج کہ وہ بھی بڑی عبادتوں سے ہے، اگر کسی اور کے واسطے ادا کرے گا، صریح کفر میں مبتلا ہوگا۔ خانہ کعبہ کے علاوہ کسی قبر یا گھر کے گرد گھومنا نہ چاہیے کیونکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وليطوّفوا بالبيت العتيق﴾ یعنی اسی قدیم گھر کا طواف کرنا چاہیے اور صفا و مروہ کے سوا کسی دو مکانوں میں دوڑنا نہ چاہیے اور جانور خدا تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کیلئے ذبح نہ کرنا چاہیے۔ اسی طرح سر منڈانا اور زیارت کرنے والوں جیسی صورت بنانا نہ چاہیے اور دوسرے ارکان حج کو اسی پر قیاس کرسکتے ہیں۔

اور تمام بندگیوں میں بہتر بندگی زکوۃ اور خدا کی راہ میں مال صرف کرنا ہے پس اگر کوئی نقد و جنس یا کھانا اموات کے نام پر یا بزرگوں کی نیاز یا جن و پری اور فرشتے یا خدا کے رسول کسی اور کے واسطے ہونا شرک ہے اور اس کا کھانا ناجائز۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿حرّمت عليكم الميتة و الدّم و لحم الخنز ير و ما أهلّ لغير اللّه به﴾ یعنی تم پر مردہ اور خون اور سور کا گوشت اور جس چیز پر غیر خدا کا نام پکارا جائے، حرام ہے۔ مثال اس کی یوں سمجھئے کہ کوئی رعیت بادشاہ کے سامنے اس کے غلام کے پاس نذر لے جائے، باوجودیکہ بادشاہ خود موجود ہے۔ پس ایسے وقت بالضرور وہ شخص غضب سلطانی کے محل میں پڑے گا اور بادشاہ اس کی اس نذر کو خاک ذلت پر ڈالے گا۔ پھر اگر یہ نذر غلام نے قبول کر لی ہے تو وہ بھی محل غضب بادشاہی ہوگا۔ البتہ اگر غلام نے اس کے قبول کرنے سے انکار کیا ہے تو اس کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ پھر اس نذر کو جو ذلت کی خاک پر پڑی ہوئی ہے، اگر کوئی اور لینے کا ارادہ کرے گا، تو وہ بھی ضرور غضب شاہی میں گرفتار ہوگا۔ پس معلوم ہوا کہ باوجود ہونے اس حقیقی بادشاہ کے اگر کوئی نقد یا کھانا غیر خدا کی نذر کرے، اس کا لینا اور کھانا بالکل ناجائز ہے۔ اس اخیر زمانہ میں اموات (مردوں) کے تقرب کیلئے قرآن پڑھتے اور کھانا بزرگوں کی نذر دیتے ہیں اور نقدی غیر خدا کے نام پر صرف کرتے ہیں، جیسا کہ موحد لوگ یہ سب عبادتیں محض خدا کے واسطے کرتے ہیں۔ جب آدمی ان سے سوال کرتے ہیں کہ تم اس شرک عظیم کے کیوں مرتکب ہوتے ہو تو عوام الناس تو بیہودہ جواب دیتے ہیں اور جہالت بھرے کلمے زبان پر لاکر کہتے ہیں: ﴿بل نتّبع ما ألفينا عليه آباءنا﴾ ہم تمہارا کہنا نہ مانیں گے بلکہ جس چیز پر ہم نے اپنے باپ دادا کو جمع پایا ہے اسی پر عمل کریں گے اور اسی کی پیروی پر جان دیں گے یعنی تمہارے کہنے سے ہم اپنے باپ دادا کی رسمیں نہ چھوڑیں گے۔ آخر پہلے لوگ جو اس کام کو کر گئے ہیں انہوں نے بھی تو اس کام میں کوئی نہ کوئی مصلحت سمجھی ہی ہوگی۔ اس کے جواب میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿أو لوكان آباءهم لايعقلون شيئاً ولا يهتدون﴾ صرف تمہارے باپ دادا کی رسم و رواج اس کام کے پسندیدہ ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ اپنے باپ دادا کی گمراہی پر تعجب نہ کرو، اگرچہ بظاہر گدڑی پوش ہی ہوں۔ اور بعض آدمی چند دن کتابوں کا مطالعہ کر کے شرعی حیلہ ظاہر کرنے لگتے ہیں کہ ہم قرآن بزرگوں کیلئے نہیں پڑھتے، غیر خدا کے نام پر کھانا نہیں دیتے، بزرگوں کے واسطے جانور ذبح نہیں کرتے بلکہ یہ سب نیک کام محض خدا کے واسطے کرتے ہیں اور اس کا ثواب لوگوں کو بخشتے ہیں۔ غور کرنا چاہیے کہ یہ لوگ حیلہ گر نہیں تو اور کون ہیں۔ بھلا اگر خدا کے واسطے کرتے کبھی مہینہ کی تخصیص جیسے محرم، میراں جی، شب برات وغیرہ کی کیوں کرتے ہیں اور جو کھانے ان بزرگوں کو مرغوب ہوتے ہیں مثلاً پلاؤ، مالیدہ وغیرہ کو کیوں خاص کرتے ہیں اور اپنے اموال میں حصہ کیوں مقرر کرتے ہیں اور ایام مقررہ سے پہلے کچھ بھی صرف نہیں کرتے ہیں اور جس جانور کو ذبح کرتے ہیں اس پر کیوں نشان لگاتے ہیں اور قبروں کے سامنے لے جاتے ہیں۔ یہ سب صورتیں خالص شرک کی ہیں کہ شیطان نے حیلہ اور فریب سے ان کے دلوں میں ثواب کا بخشنا اور اس کا عطا کرنا ڈال دیا ہے کیونکہ وہ ملعون خدا کے سامنے وعدہ کر چکا ہے: ﴿قا ل لأتّخذنّ من عبادك ...الخ﴾ خدا تعالیٰ کے حضور میں۔ شیطان بولا کہ بلاشبہ میں تیرے بندوں سے ایک مقررہ معین حصہ لوں گا اور بے شک میں انہیں گمراہ کروں گا اور ان کے دلوں میں جھوٹی آرزو میں ڈالونگا۔ اور میں انہیں جانوروں کے کان پھاڑنے کا حکم کروں گا۔ میں انہیں حکم کروں کہ وہ خدا کی پیدائش کو بدل ڈالیں گے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے اور جو شخص خدا کے سوا شیطان کو دوست رکھے گا بلاشبہ صریح وظاہر نقصان میں پڑے گا۔



مرکزی جمعیۃ اہل حدیث برطانیہ کی پینتالیسویں سالانہ کانفرنس

ڈاکٹر عبدالرب ثاقب ڈڈلی

اسلام کو یورپ کی فضاؤں میں بسادو

اس سال مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ کی 45 ویں سالانہ کانفرنس 19 جولائی 2025ء بروز ہفتہ کو بڑے ہی تزک واحتشام سے نیو کاسل میں منعقد ہوئی، نیو کاسل کی انتظامیہ نے اس سال دو روزہ کانفرنس منعقد کی، جیسا کہ اس سے بہت پہلے کی جاتی تھی تاکہ ایک دن انگریزی کے لئے اور ایک دن اردو کے لئے مختص ہو اور سامعین دونوں زبانوں کی کانفرنس سے بھرپور مستفید ہو سکیں، انگریزی کانفرنس کے لئے مہمان مقررین حسب ذیل ہیں:

شیخ کریم ابوزید آف امریکہ، ان کا موضوع سورۃ الحجر کی تفسیر تھا۔ شیخ ابراہیم زیدان آف مصر ان کا موضوع سیرت النبی ﷺ تھا، شیخ کامل احمد آف کینیڈا ان کا موضوع حجیت حدیث تھا۔

قاری ذکاء اللہ سلیم کی تلاوت کلام پاک سے کانفرنس کا آغاز ہوا۔ برادر حسن مرتضیٰ نے نظامت کے فرائض انجام دیئے۔ کانفرنس کے دوسرے دن 20 جولائی بروز اتوار کو اردو کانفرنس تھی، مولانا برق توحیدی پاکستان سے بطور مہمان خصوصی تشریف لائے، انہوں نے اپنے خطاب میں کہا کہ مرکزی جمعیۃ اہل حدیث برطانیہ کا کام بہت عظیم ہے، اس کام کو مزید آگے بڑھنا چاہیے۔ محسن ملت ڈاکٹر بہاؤالدین سلیمان اظہر ختم نبوت کی 75 جلدی اور تاریخ اہلحدیث کی 16 جلدیں اور دیگر کتابیں 100 سے زیادہ ہیں۔ انہوں نے اپنے خطاب میں کہا کہ بر صغیر میں قرآن و حدیث کی اشاعت کا شرف اہل حدیث علما کو حاصل ہے۔ ممتاز سکالر ڈاکٹر صہیب حسن نے اپنے خطاب میں کہا کہ ملکہ بھوپال بیگم شاہجہاں نے ووکنگ (برطانیہ) میں ایک مسجد بنائی۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ میں مسلسل 18 سال جیل میں قیدیوں کو جمعہ کی نماز پڑھاتا رہا ہوں۔ الحمد للہ، اس ملک میں ابھی تک کوئی پختہ مزار اور گنبد نہیں دیکھا۔ اس طرح برطانیہ کے لوگ شرک سے بچے ہوئے ہیں، کیونکہ جب پختہ مزار بنتا ہے تو لوگ اسے سجدہ کرنے لگ جاتے ہیں جیسا کہ برصغیر میں ہوتا ہے۔ اللہ ہدایت دے۔

مولانا محمد عبدالکریم ثاقب المعروف برادر ثاقب نے اپنے خطاب میں کہا کہ عمارت کا کچھ حصہ نمایاں رہتا ہے، جسے ہر شخص دیکھتا ہے مگر کچھ حصہ بنیاد میں ہونے کی وجہ سے زیر زمین رہتا ہے جو لوگوں کو نظر نہیں آتا، اس طرح میرا کام بھی زیر زمیں جمعیۃ کی بنیادوں میں چھپا ہوا ہے، میں مدرسہ سلفیہ کا ذمہ دار تھا اور 450 طلبا و طالبات شریک مدرسہ تھے اور ماہنامہ صراط مستقیم کا مؤسس ہوں، صراط مستقیم پوری دنیا میں مرکزی جمعیۃ اہلحدیث برطانیہ کی علامت بن گیا تھا۔ ابتداء میں اپنے ہاتھ سے یہ پرچہ لکھتا تھا اور اس کی فوٹو کاپیاں ارسال کرتا تھا۔

نائب امیر جمعیۃ مولانا محمد حفیظ اللہ خان المدنی نے بانی وامیر مرکزی جمعیۃ اہلحدیث، برطانیہ مولانا فضل کریم عاصم اور مولانا محمود احمد میرپوری ناظم اعلیٰ کی خوبیوں پر خطاب کیا کہ ناگفتہ بہ حالات میں ان دونوں بزرگوں نے کس طرح جمعیۃ کا قیام عمل میں لایا اور کس طرح اپنی نشاطات بڑھاتے رہے، آج جمعیت کی 50 سے زیادہ برانچیں اور 30 سے زیادہ مساجد یہاں موجود ہیں۔ ہمیں ہمیشہ ان بزرگوں کے حق میں دعائے خیر کرنی چاہیئے۔ مولانا حافظ عبد الاعلیٰ درانی نے تفسیر قرآن اور بہت سی کتابیں طبع کی ہیں اور کانفرنس میں خطاب کیا۔ اللہ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔ استاذ الاساتذہ مولانا منیر قاسم بانی مسجد شبلی بریڈ فورڈ جنہوں نے دعوت و تبلیغ کے ذریعے برطانیہ میں ایک انقلاب برپا کر دیا، انہوں نے بھی خطاب کیا۔ امام وخطیب مسجد ہذا مولانا حافظ عبد الباسط العمری نے مسجد کے تعلق سے بتایا کہ 20 سال کے عرصہ میں یہ مسجد تکمیل کو پہنچی ہے اور اس پر 8 ملین پاؤنڈ (اسی لاکھ پاؤنڈ) لگے ہیں، الحمد للہ، مسجد کے چندہ کے لئے سب سے پہلے ناچیز نے ٹی وی کو استعمال کیا، ہمارے جمعیۃ کے لئے یہ ایک نئی چیز تھی، مگر الحمد للہ اس سے بہت فائدہ ہوا، اللہ پاک جمیع معاونین کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔ دوران خطاب ان کی آواز بھر آئی اور آنسوؤں کی جھڑی شروع ہو گئی۔ بانی مسجد ہذا سنٹرل ماسک نیوکاسل حاجی مصطفیٰ قریب میں وفات پائے ہیں اور یہ بڑی مسجد جمعیۃ کے لیے وقف کر دی۔ جزاہم اللہ احسن الجزاء۔ حافظ عزیر مکی اسکپٹن کی تلاوت کلام پاک سے کانفرنس کا آغاز ہوا۔ دوران کانفرنس حافظ عمر ابن مولانا منیر قاسم نے تلاوت کلام پاک سے سامعین کو محظوظ کیا۔ بلبل برطانیہ مولانا عبد الستار عبدالستا عاصم اور ڈاکٹر عبد الرب ثاقب نے نظمیں پیش کیں، ناظم اعلیٰ قاری ذکاء اللہ سلیم نے اردو سیشن کی صدارت کی، جبکہ انگریزی سیشن کی صدارت مولانا شعیب احمد میرپوری امیر مرکزی جمعیۃ نے کی۔ مولانا شفیق الرحمن شاہین نے نظامت کے فرائض انجام دیئے۔ کانفرنس میں مولانا شیر خان جمیل احمد عمری، علی حسن کیمبرج، قاری نور مکی برمنگھم، مولانا رفیق مدنی، برادر عبد الفتاح، مولانا فضل الرحمٰن حقانی نیلسن، مولانا محمد ادریس مدنی گلاسگو، جناب محمد فاروق نسیم برمنگھم، قاری عبد العزیز برمنگھم، قاری عبد الرؤف ریاضی، قاری عبد السمیع برمنگھم، قاری عبد الصمد برمنگھم، قاری سید یعقوب برمنگھم، شیخ ابوحمزہ مدنی بریڈ فورڈ اور خواتین بھی شریک کانفرنس تھیں۔ کانفرنس میں قیام و طعام کا بہترین انتظام تھا۔ اللہ تعالیٰ جمیع منتظمین کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین

تثلیث کو توحید کا پیغام سنادو
اسلام کو یورپ کی فضاؤں میں بسادو

